رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

الحکم

ہفتہ وار اخبار
قادیان
دورِ جدید

مدیر اعلیٰ:- شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدیر مسئول:- شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

چندہ سالانہ
حکومت اور والیان ریاست سے ... عمار
امراء و رؤساء سے .... صہ
معاونین سے .... عہ
عوام سے .... صہ
ممالک غیر سے .... ۱۲ روپے

مدینۃ المسیح قادیان
دارالامان سے ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے۔

قیمت فی پرچہ ۴ /

جلد ۴۱ | ۵/۱۲ صفر ۱۳۵۷ھ مطابق ۷/۱۴ اپریل ۱۹۳۸ء یوم پنجشنبہ | نمبر ۱۱، ۱۲

خلافت اسلامیہ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے

امام مسجد لنڈن کے

معرکۃ الآراء مضمون کا اردو ترجمہ

بقلم جناب عبدالرحیم صاحب شبلی بی کام

"والئی خلافت"

از عزیز مکرم عبد الستار صاحب قمر اجنالوی

صورتِ انور، رنگ جمالی تختِ خلافت کے ہیں والی
کام سے ظاہر شانِ جلالی فخرِ محمدؐ لختِ مسیحا

زورِ بلاغت، شورِ فصاحت، اسپہ لیاقت اور سیادت
تختِ خلافت پر یہ اقامت کیوں نہ بنائے عالی اعلے

علم و ہنر میں تیز روانی، پاک سرشت و یوسف ثانی
حسن و جمال میں تو لاثانی چاند بھی دیکھ کے ہے شرماتا

زینتِ عرفاں تیرا تکلم، دل کو لبھائے تیرا تبسم
تو ہے نویدِ علم مجسم، ہر اک امر میں رتبہ بالا

حسن میں یوسفؑ، خُلق میں احمدؐ جس پہ فضلِ خدا ہے بے حد
رعب و داب میں شیر سرمد فخرِ منبرِ مسجدِ اقصےٰ

تعزیت

نہایت رنج و افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مشہور و معروف خادم جناب سیٹھ محمد غوث صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی بھی ہیں کی صاحبزادی سعیدہ بیگم جو خود بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور ذات خلافت اور خاندانِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فدایانہ جذبہ رکھتی تھیں حیدر آباد میں وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی وفات میرے نزدیک ایک قومی صدمہ ہے۔ سیٹھ صاحب اور اُن کے تمام خاندان سے اِس صدمہ میں ہم کو کامل ہمدردی ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل دے۔

خلافت کے معنی

"خلافت" اِسلامی طرزِ حکومت کا نام ہے۔ یہ لفظ خَلَفَ سے نِکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔

"وہ بعد میں آیا۔ یا جانشین ہُوا یا کسی کے بعد رہا"۔

مزید برآں لین کہتا ہے:۔

"خَلَفَہٗ کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ اُس کا قائمقام۔ جانشین یا نمائندہ بن گیا"۔

اور اس کا یہ بھی مطلب ہے۔ کہ وہ اس کے بعد آیا۔

اور یہ بھی کہ:۔

"اُس نے بادشاہ کے قوانین یا احکام کو نافذ کیا"

(قرآن حصہ اول مطبوعہ قادیان صہ ۲۸)

جے ہنرس کہتا ہے۔ کہ:۔

"خلیفہ ایک جانشین یا نائب ہوتا ہے۔ اور یہ اُن بادشاہوں کا نام ہے۔ جو خدا کے نمائندے ہو کر دنیا میں آتے ہیں۔"

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال

قرآن مجید میں یہ لفظ مندرجہ ذیل آیات میں استعمال کیا گیا ہے:۔

۱۔ حضرت آدمؑ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"میں دنیا میں ایک خلیفہ بنانے لگا ہوں" (۲: ۳۱)

۲۔ "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا" (۳۸: ۲۷)

۳۔ "اسی نے تمہیں دنیا میں خلیفہ بنایا ہے" (۳۵: ۴۰)

۴۔ "اور ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا۔ اور جنہوں نے ہمارے نشانات کا انکار کیا۔ انکو غرق کر دیا۔" (۱۰: ۷۴)

سرتھامس آرنلڈ کہتا ہے:۔

"اگرچہ خلیفہ کا لفظ اور اس کے مادہ سے دیگر مشتقات عام استعمال میں آتے ہیں۔ لیکن اسلامی دینیات اور سیاسی لٹریچر میں مستعملہ دیگر الفاظ کی طرح اِس کا کوئی واضح مفہوم نہیں ہے۔ کئی آیات ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، صحیح تفسیر نہیں کی جا سکتی کیونکہ اُن میں خلیفہ یا خلفاء کے لفظ سے عام ورثا

مراد ہوتے ہیں۔ اور کسی خاص معزز فرد واحد کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔" صفحہ ۴۳

لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کو صاف طور پر خلیفہ کہا گیا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو خلافت قائم ہوئی۔ اُس کے متعلق مندرجہ ذیل آئت میں اشارہ کیا گیا ہے:-

"اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ زمین پر اپنے خلفاء مقرر فرمائیگا جسطرح وہ پہلے خلیفے مقرر فرماتا رہا۔ اور وہ اُن کے لئے اُس دین کو قائم کریگا۔ جو اُس نے اُن کے لئے پسند فرمایا ہے۔ اور خوف و خطر کی حالت کے بعد انہیں امن واماں مرحمت فرمائیگا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے۔ اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرائینگے اِس کے بعد جو نافرمانی کریگا۔ وہ فاسق ہے۔" (۲۴:۵۵)

امام فخرالدین رازی کہتے ہیں۔ کہ اِس آئت میں جیسا کہ سر تھامس آرنلڈ کا خیال ہے۔ عام سلمانوں کا جنکو ایمان اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے۔ ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ یہ ہیں۔ "جو تم میں سے ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے"۔ پس یہ صرف عام مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے۔ جو اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں۔ پھر "منکم" یا "تم میں سے" کے الفاظ صاف طور پر بتاتے ہیں۔ کہ یہ صرف ایک شخص کا ذکر نہیں ہو رہا۔

اگر ہم اِس آئت میں عام مومنوں کا ذکر ہی سمجھ لیں۔ تو پھر جس امتیاز پر یہ آئت زور دیتی ہے۔ وہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ غیر مسلم بھی تو آخر زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔

پھر یہ لفظ بھی کہ "جس طرح وہ پہلے خلیفے مقرر فرماتا رہا" صحیح ادارہ کی تشریح کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور اِس کے بعد اِسرائیلیوں کے ہمیشہ خلیفے ہوتے رہے۔ حضرت سلیمان ؑ اور حضرت داؤد ؑ بھی خلفاء تھے۔ اِن میں سے ہر کوئی "معزز فرد واحد" تھا۔

اگر ہم تمام اشخاص کو مجموعی طور پر بھی وارث مان لیں۔ تو اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ کہ وہ بھیڑوں کی طرح بغیر کسی امیر کے بکھرے ہوئے لوگ ہونگے۔ حکومت کیلئے اُن کا ایک امیر ہونا ضروری ہے۔

ایک دوسرا امتیاز اِسلامی خلفاء اور عوام میں یہ ہے۔ کہ اُن کے دین کا استحکام کیا جائیگا۔ جس طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا۔

احادیث میں بھی جو قرآن شریف کی تفاسیر ہوتی ہیں۔ اِس ادارہ کا صاف طور پر ذکر آیا ہے۔ سر تھامس آرنلڈ خود تسلیم کرتا ہے۔ کہ خلافت کی تشریح احادیث میں بادلیل آئی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلام اللہ کے صحیح مفہوم سے یقیناً واقف تھے۔ اِس لئے آنحضرت صلعم نے جو کچھ سکھایا۔ وہ قرآن شریف کے منشاء اور مطلب کے عین مطابق تھا۔

پھر حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے انتخاب میں صحابہؓ کرام کے عملی فیصلہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ کسی بناوٹی روائت پر مبنی تھا۔

"جس کو ایک ایسے سیاسی ادارہ کی تائید کے لئے گھڑ لیا گیا۔ جو مومنین کے درمیان ہر دلعزیز ہو چکا تھا۔"

ایسا کرنے کیلئے یہ ابھی بہت قبل از وقت تھا۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ:۔

"عام لحاظ سے یہ نظریہ حقائق سے پیدا ہُوا"

یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے۔ کہ:۔

"حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب اُسی طرح عمل میں آیا۔ جس طرح عرب قبائل ہمیشہ اپنے شیخ منتخب کیا کرتے تھے۔" (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا یا "دائرۃ المعارف")

یہاں منتخب کرنے والے ایک قبیلہ پر مشتمل نہیں تھے۔ بلکہ اِس موقع پر عوص، خزرج اور قریش سب جمع تھے۔ جو پہلے کبھی اکٹھے نہیں ہوئے۔

پھر خلیفہ کے اختیارات قبیلے کے سردار یا شیخ سے بالکل مختلف تھے۔ پُرانی رسم کا حال لکھتے ہوئے پی۔ کے۔ ہٹی اپنی تازہ کتاب "عربوں کی تاریخ" مطبوعہ ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے:۔

"انصاف، فوج اور دیگر مشترکہ مسائل میں شیخ آخری حَکَم نہیں تھا۔"

لیکن حضرت ابوبکرؓ کے متعلق وان کریمر (مترجمہ خدا بخش کلکتہ ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۴۳) لکھتا ہے:۔

"جب حضرت رسول کریم (صلعم) نے وفات پائی۔ تو کئی صحابہ نے جن میں سے حضرت عمرؓ بھی تھے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا۔ کہ وہ فوج کو برخواست کر دیں .... لیکن آپ نے انکار کر دیا۔"

پھر وہ آپ کے متعلق کہتا ہے:۔

"حالات خواہ کتنے ناموافق ہوتے۔ موقعہ خواہ کتنا خطرناک ہوتا۔ لیکن آپ جس بات کو حق سمجھتے۔ اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔"

اَب یہ بات پُرانے زمانہ کا شیخ ہرگز نہ کر سکتا تھا۔ خلیفہ حضرت رسول کریم صلعم کا جانشین ہوتا تھا۔ اور ایسا مفہوم قدیم عربوں کے جنگجو قبائل میں کہیں نہ پایا جاتا تھا۔

سر ولیم میور کہتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کا ایک باعث جو ہُوا وہ یہ تھا۔ کہ:۔

"حضرت رسول کریم صلعم کا چغہ کسی ایک جانشین نے ضرور پہننا تھا۔" ("خلافت" صفحہ ۳)

یہ قبائلی انتخاب ہرگز نہ تھا۔ عجیب بات ہے کہ سر تھامس آرنلڈ بھی جس نے انسائیکلو پیڈیا کی طرح حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو قدیم رسم کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ تسلیم کرتا ہے کہ:۔

"زمانۂ جاہلیت کے عربوں کو اِس قسم کے سیاسی ادارہ کا کچھ علم نہ تھا۔" صـ۴۸

پس خلافت کو ہم قدیم عربی رسم کی ازسرنو ترویج نہیں کہہ سکتے۔ یہ ادارہ مسلمانوں نے قرآن اور احادیث کے فرامین کے بموجب خود قائم کیا تھا۔ اگر یہ قبائلی جذبہ ہوتا۔ تو مدینہ والوں کی یہ تجویز کہ:۔

"ایک امیر تم میں سے ہو۔ اور ایک ہم میں سے"

حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کے وقت یقیناً منظور ہو جاتی۔ لیکن حال یہ تھا۔ کہ:۔

"سعد نے بھی اپنی چادر سے منہ نکال کر کہا۔ کہ

تفرقہ سے طاقت کمزور ہو جائیگی"۔

پس اتحاد اور تعاون کی ایک روح تھی جو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جنگجو اور وحشی قبائل میں پھونکی تھی اور خلافت کے ذریعہ اُن کو ایک عظیم الشان قوم بنا دیا تھا۔

خلافت کا نظریہ

مسلم مورخین کا خیال ہے۔ کہ:۔

"لفظ "خلیفہ" پہلے حضرت ابوبکرؓ نے استعمال کیا تھا۔ اور "خلیفۃ الرسول اللہ" کا مطلب یہ تھا۔ کہ حضرت محمد صلعم کے اختیارات ورثہ میں حاصل کئے گئے ہیں"

ماوردی (اپنی کتاب "الاحکم السلطانیہ" آئینگر ایڈیشن ۱۸۵۳ء مطبوعہ قاہرہ ۱۲۹۸ - ۱۳۲۷ - مترجمہ ای فیگنین الجرس ۱۹۱۵ء میں) بیضاوی اور غزالی نے خلیفہ کے لئے مندرجہ ذیل محاسن ضروری قرار دیئے ہیں:۔

"بنو قریش کا فرد ہو۔ مرد ہو۔ ادھیڑ عمر کا ہو۔ چال چلن اچھا ہو۔ جسمانی اور دماغی نقائص نہ ہوں۔ شریعت میں ماہر ہو۔ انتظامیہ قابلیت ہو۔ اسلامی علاقہ کو بچانے کیلئے جرأت اور جوش ہو"

رائے دہندگان میں مندرجہ ذیل محاسن ہونا چاہئیں:۔

"۱۔ حق پسندی۔ ۲۔ سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے قابل امیر کے انتخاب کی قوت"

بعض نے لکھا ہے۔ کہ:۔

"انتخاب صرف اُس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ سلطنت کے تمام رائے دہندگان اُس میں حصہ لیں۔ یعنی ایک مکمل اور ہمہ گیر رائے شماری ہو بعض دیگر علماء کا خیال ہے۔ کہ تھوڑے لوگ بھی کافی ہیں"۔

وان کریمر لکھتا ہے۔ کہ:۔

"اس مقصد کے لئے مرکز کے باشندوں کو دیگر لوگوں پر بالعموم کوئی فوقیت حاصل نہیں تھی لیکن بالفعل، نہ کہ قانوناً۔ چونکہ مرکز کے لوگوں کو امیر کی وفات کی خبر جلدی مل جاتی تھی۔ اس لئے وہ فوراً انتخاب کی تیاری کر سکتے تھے۔ مزید برآں یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو لوگ رائے دہندگی کے اہل تھے۔ وہ علی العموم مرکز میں ہی رہا کرتے تھے"

صفحہ ۲۶۳

ماوردی کے نزدیک جو شافعی تھا خلیفہ کے کام یہ ہیں:۔

"مذہب کا استحکام اور استحفاظ، قانونی تنازعات کا فیصلہ، اسلامی علاقہ کی حفاظت، مجرموں کو سزا دینا۔ سرحدات کے اندفاع کیلئے فوجی دستوں کا تعین۔ محصولات کا انتظام اور انکی وصولی تنخواہوں کی ادائیگی۔ اور سرکاری مالیات کی نظامت، مناسب افسروں کا تقرر اور حکومت کی تفاصیل کی طرف ذاتی توجہ دینا۔"

خلیفہ کی مکمل اطاعت

شیعی اور سنی علماء دونوں اس بات پر مجتمع ہیں کہ خلیفہ یا امام کی مکمل اطاعت کرنی چاہیئے۔ خلیفہ چونکہ نبی کا قائمقام ہوتا ہے۔ اسلیئے اُس کی ہر حالت میں فرمانبرداری واجب ہے قرآن شریف بھی اس امر پر خاص زور دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اللہ اور اُس کے رسول اور اپنے اولی الامر کی فرمانبرداری کرو۔" (۴: ۶۰)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہر موقعہ پر یہی تعلیم دی ہے۔ فرمانبرداری کے متعلق آپ کے حکم کا اندازہ اِس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ روزمرّہ کی نمازوں میں اگر امام غلطی بھی کر جائے۔ تو اس کی اطاعت کرو۔ مقتدی آہستہ سے اُس کی غلطی بتا سکتے ہیں۔ لیکن نافرمانی نہیں کر سکتے۔

الاشعری لکھتا ہے:۔

"ہم اُن لوگوں کو غلطی خوردہ قرار دیتے ہیں۔ جو امام کے خلاف جب کبھی بھی وہ راہِ راست سے بھٹک جائے۔ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم خانہ جنگی اور مسلح بغاوت کے سخت خلاف ہیں۔"

(اِسلامی دینیات کے بروز" مصنفہ ڈی۔ بی میکڈانلڈ صفحہ ۲۹۸)

کنز العمال میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"خلیفہ کو بے جھجک اطاعت ملنی چاہیئے۔ کیونکہ خلیفہ کا باغی خدا کا باغی ہے۔"

(III - ۲۵۸۰ - ۲۹۹۹ - ۳۰۰۸)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"جو شخص امیر کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور اس کو جماعت سے خارج کر دیتا ہے۔ اور اِسی حالت میں مرجاتا ہے۔ وہ جہالت کی (یا غیر اسلامی) موت مرتا ہے۔"

(مسلم)

ایک اور جگہ آپ نے اِس میں یہ ایزاد فرمایا۔ کہ:۔

"بدی میں اطاعت نہیں ہونی چاہیئے۔" (بخاری)

پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ "اسلامک کلچر" (اسلامی ثقافت) حیدر آباد جلد ۱۱ نمبر ۳ ماہ جولائی ۱۹۳۷ء میں الماوردی کے نظریہ کا نہائت محققانہ تجزیہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ماوردی کی رائے خارجیوں کی باغیانہ اور تشیعی علماء کی اطاعت گزارانہ تلقین کے بین بین ہے۔"

ایک جائز حاکم کے خلاف بغاوت بہر حال قابلِ مذمت ہے۔ یہ بہت خطرناک طریق ہے۔ اِس سے خانہ جنگی پیدا ہوتی ہے جو انسانوں اور اموال کی تباہی کا موجب ہے۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے۔ کہ بدامنی اور بدنظمی اور فوضویت کا دور دورہ ہو۔ اسلام کے معنے امن کے ہیں۔ پس جو شخص جماعت کے امن میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ وہ مذہب کی جڑھ اور اصل پر تبر چلاتا ہے۔

اِسلام نے جائز شکایات اور تکالیف کو رفع کرنے کے لئے مناسب ذرائع مقرر فرمائے ہیں جس سے ہر کوئی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی بُری بات سے مقابلہ کرنا ہی پڑے جیسا کہ خود حضرت رسالتمآب کو شروع میں کرنا پڑا۔ تو یہ احتیاط رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ مقابلہ خود ناجائز، اور جس بدی کو وہ دور کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بڑی بدی نہ بن جائے۔ کسی جماعت کی اجتماعی زندگی میں سب سے بُری بات منافرت اور خانہ جنگی ہے۔ پس بغاوت کے لئے کوئی حقِ جواز نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں اسلامی خلفاء خدا تعالیٰ کے نائب ہوتے

ہیں۔ اس لئے اُن کے خلاف بغاوت کرنا محض شیطانی فعل ہے۔

شیعہ، خوارج اور معتزلہ

"تشیعی علماء نے امامت کو ایمان کا بنیادی اصول قرار دیا۔ اُن کے نزدیک جائز وراثت سب سے ضروری چیز تھی۔ نیز انہوں نے خلافت کا اعزاز صرف قریش تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ زید یا بکر کے استثنا سے حضرت علیؓ کے خاندان کو بھی اس کا مستحق قرار دیا انہوں نے انتخاب کی رسم کو اڑا دیا۔ اور کہا کہ حضرت علیؓ کو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی نامزد فرما دیا تھا۔ اور یہ کہ دیگر جانشینوں کو بھی جن کا تقرر خدا تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی مقدر تھا حضرت علیؓ کے محاسن پہلے سے ورثہ میں ملے تھے۔ ہر امام میں بعض ایسی فوق العادت خوبیاں تھیں جو اُسے باقی انسانوں سے ممتاز کرتی تھیں۔ وہ مومنین کی نہایت حکمت سے رہنمائی کرتا تھا۔ اور اُس کے فیصلے ناطق اور قطعی تھے۔"

"خوارج کا نقطۂ نظر شیعوں سے بالکل مختلف تھا وہ امام یا خلیفہ کا اعزاز کسی خاص قبیلہ یا خاندان تک محدود نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اُن کا خیال تھا کہ ہر مومن خواہ وہ عرب ہو یا غلام اِس عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ پھر عام مسلمانوں سے اُن کا عقیدہ بھی مختلف تھا۔ کہ مذہبی لحاظ سے امام ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تمام جماعت ہی امام کے بغیر ایک شرعی مدنی نظامت قائم کر کے مذہبی امور کی انجام دہی کر سکتی ہے۔ بعض خاص حالات میں امام کا تقرر موجب سہولت یا آسانی ہو۔ تو وہ منتخب کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر وہ تسلی بخش ثابت نہ ہو۔ تو اُسے معزول یا قتل کیا جا سکتا ہے"

(اَلشَّهرِستانی صفحہ ۱۵)

معتزلہ فرقہ کا خیال تھا۔ کہ:۔

"امام کا تقرر جنگ کے زمانہ میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ وہ امن کے زمانہ میں منتخب کیا جانا چاہیئے۔ نیز کوئی شخص امام نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام مسلمانوں کی اُس کے حق میں متفقہ رائے نہ ہو۔"

(الشہرستانی صفحہ ۱۵)

خلافت ضروری ہے

اِس اَمر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خلافت لابدی ہے سید عبدالمجید صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی اپنی کتاب "انگلستان اور اسلامی دنیا" مطبوعہ یارک ۱۹۱۳ء میں لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ اپنے لئے کسی خلیفہ کا انتخاب اشد ضروری ہے۔" صفحہ ۳۸

قرآن مجید بھی اِس بارہ میں زور دیتا ہے۔ (۲۴: ۵۶) یہی حکم ۳: ۱۰۴ اُمت میں پایا جاتا ہے۔ جہاں فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رکھو۔ اور متفرق نہ ہونا۔"

احادیث حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اِس مسئلہ پر واضح ہیں۔ اور مسلمانوں کا عمل بھی اس کی ضرورت ثابت کر رہا ہے۔

سید امیر علی کہتے ہیں :۔

"خلافت حضرت رسول کریم کی نمائندگی کا نام ہے۔ اس کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ تاکہ اسلام کی اشاعت ہو۔ اور اسلامی قوانین و فرامین پر عمل کیا جائے۔ پس اسلام کے برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک خلیفہ ہو۔ جو اپنے آقا کا حقیقی اور براہِ راست نمائندہ ہو۔" صد ۱۲۴

خواہ اِس حکم کی بنا الہام پر ہو یا تعقل پر اِس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ تعقل اور الہام دونوں اِس بات کے مقتضی ہیں کہ ایک خلیفہ مقرر کیا جائے۔

اِس انتہائی ارشاد کے پیش نظر اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حالات کی موجودہ روش کا باعث سُنّی مسلمانوں کے عقائد ہیں۔ ورنہ دنیاوی خود مختاری یا بعض مسلمان اقوام کی محکومیت اُن کے روحانی اتحاد میں سدِّ راہ نہیں ہو سکتی۔

کیا خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری ہے؟

"امام قریش کے ہیں" وغیرہم، بعض احادیث سے مسلمانوں نے استنباط کیا ہے۔ کہ خلیفہ ہمیشہ بنو قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

معتزلہ اور خارجیوں کے فرقے خلافت کو تمام مسلمانوں کا مساوی استحقاق قرار دیتے ہیں۔ اور اُن کی بنا اس حدیث پر ہے کہ :۔

"تم کو اپنے امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔"

سید امیر علی نے ابن خلدون (وفات سنہ ۱۴۰۶ء) کی رائے مندرجہ ذیل لکھی ہے :۔

"وہ لکھتا ہے۔ کہ جب دنیا میں اسلام کا آغاز ہوا۔ اُس وقت بنو قریش عرب میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور تھے۔ جب حضرت رسول کریم صلعم نے اِس اَمر کی خواہش ظاہر کی۔ کہ مسلمانوں کی روحانی اور دنیاوی قیادت اِسی قبیلہ کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے تو آنحضرت صلعم جانشینی کے کوئی خاص قوانین و ضوابط بیان نہ فرما رہے تھے۔ بلکہ آپکے ذہن میں صرف مستقبل قریب تھا۔ اس وقت قابل اور لائق حکمران صرف بنو قریش میں سے ہی دستیاب ہو سکتے تھے۔ پس حضور صلعم نے یہ سفارش کر دی۔ کہ امام یا خلیفہ اِسی قبیلہ میں سے منتخب ہونا چاہیئے۔ اس وضاحت کو جو ایک عالم اور مشہور سنّی کی طرف سے ہے۔ اب تمام متاخرین تسلیم کرتے ہیں۔ کہ امام کے انتخاب میں شریعت کوئی قبائلی یا نسلی امتیاز روا نہیں رکھتی۔"

("روحِ اسلام" صد ۱۲۷)

سید عبدالمجید ایل۔ ایل۔ ڈی لکھتے ہیں :۔

"ایک ایسا مذہب جسکا بنیادی پتھر انسانیت اور مساوات ہے۔ جس نے تمام رسم و رواج کو توڑ دیا۔ اور جس نے ایک حبشی غلام بلال رضؓ کو جسے مدینہ کے بازاروں میں گھسیٹا جاتا تھا، مساوات کے ماتحت بلند ترین معاشرتی حیثیت عطا کی۔ وہ

کبھی ایسا قرابت پسند نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ سوائے حضرت محمد صلعم کے خاندان کے سب کو بیدخل کر دے۔ اور کبھی اتنا تنگ نظر نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ سوائے قریش کے سب کو اپنے دائرہ عمل سے خارج کر دے۔ کسی شخص کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنا، اس کو مساوات دینی اور پھر اُسے اُس کے جائز ثمر کا مستحق قرار نہ دینا یہ اسلامی تعلیم کے صریح منافی ہے"۔

سید عبد المجید صاحب کی یہ رائے قرآن مجید کی اس آیت کے بالکل مطابق ہے:۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہیں جو سب سے متقی ہیں"۔ (۴۹: ۱۴)

لیکن زیر بحث مسئلہ یہ نہیں ہے۔ کہ آیا اسلام کی اخوت اور مساوات کی تعلیم اس بات کی مقتضی تھی یا نہیں۔ کہ خلیفہ عوام میں سے منتخب ہو سکتا ہے۔ بلکہ قابلِ تصفیہ امر یہ ہے۔ کہ آیا حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی اس مضمون کا قانون بنایا۔ کہ خلیفہ ہمیشہ قریش میں سے ہونا چاہیئے؟ اگر ایسا ہو۔ تو ہم اِسی قانون کو رُوحِ اسلام کے مطابق سمجھ لیں گے۔ اور اس پر اعتراض کرنا ہمارا کام نہیں ہوگا۔

لیکن اگر ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث پر نظر ڈالیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جائیگا۔ کہ آنحضرت صلعم تمام حالات میں عمل کرنے کیلئے کوئی خاص قانون یا ضابطہ مدوّن فرمانا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ یہ حدیث بجائے حکم کے ایک پیشگوئی ہے۔ اپنی ایک حدیث میں آنحضرت صلعم نے لَا یَعْزَلُ هٰذَا الْاَمْرُ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک پیشگوئی تھی۔ اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ پوری ہوئی۔ کیونکہ تمام خلفاء بنو قریش میں سے ہی ہوئے۔

لیکن اس کے علاوہ ایک اور پیشگوئی ہے۔ جو تمام کیفیت ہی بدل دیتی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا:۔

"خلافت بنو قریش میں اسوقت تک رہے گی۔ جب تک وہ دین پر قائم رہیں گے"۔ (مشکوٰۃ)

اور یہ سچ ہے۔ کہ جب تک قریش نے یہ شرط پوری کی اُن کو یہ اعزاز ملتا رہا۔ لیکن جب وہ برگشتہ ہو گئے۔ تو پیشگوئی بھی اُلٹ ہو گئی۔

خلیفہ کا تقرر

ماوردی، البغدادی اور دیگر تمام سنّی علماء کے نزدیک خلیفہ نامزد نہیں ہوتا۔ بلکہ منتخب کیا جاتا ہے۔ پروفیسر گِب کا خیال ہے۔ کہ اہل سنت والجماعت کا اس فیصلہ پر پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ اسلام کی تاریخ میں شعور پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلامی خلافت کی ابتداء حضرت ابو بکر رضؓ کے انتخاب سے ہوئی۔ اور اس وقت سے پہلے کوئی ایسی امثلہ موجود نہیں تھیں جن سے فکری استنباط کا امکان ہو سکتا۔ لوگوں کا یہ فعل محض کلام اللہ پر مبنی تھا۔ اُس زمانہ میں کوئی ایسی کتاب تصنیف نہیں کی گئی تھی۔ جن میں امثلۂ ماضیہ کا تذکرہ کر کے نتائج اخذ کئے جاتے۔

پروفیسر گِب کا یہ خیال درست ہے۔ کہ رہنمائی کے

لئے اجماع ایک ذریعہ ہوسکتا ہے۔ (اگرچہ ہماری جماعت کا نظریہ یہ ہے۔ کہ اگر غلط بات پر اجماع ہو۔ تو اُس کا یقین نہیں کرنا چاہیئے۔) لیکن میں کم از کم یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ:-

"ماخذ کی تفسیر یا تشریح کی تمام مؤثر عمارت دراصل محض ایک مابعد الواقعہ حقِ جواز ہے اشیاءِ ماضیہ کا جن کی تصدیق اجماع سے کی جاتی ہے۔"

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ ممکن ہے۔ یہ متاخرین کے نزدیک درست ہو۔ لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے معًا بعد صحابہ رضی اللہ عنہما کا خلافت کی بنا انتخاب پر رکھنے کے کسی طور سے یہ معنی نہیں ہوسکتے۔ کہ یہ "اشیاءِ ماضیہ کا مابعد الواقعہ حقِ جواز" تھا۔

خلافت اسلامیہ کے سب سے پہلے اجماع کی بنیاد کلام اللہ اور احادیث نبوی پر ہونی چاہیئے۔ اور یہ دونوں چیزیں اُس وقت مسلمانوں کے پاس موجود تھیں۔ پس مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی۔ کہ وہ بجائے اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کے تفکری استنباط کرتے۔ خلافت کی بنیاد اجماع کے خیال کے پیدا ہونے سے قبل رکھی گئی تھی۔ پس یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے۔ کہ انتخاب کے اصول کی بنیاد صرف اجماع کے نظریہ پر رکھی گئی۔

ہمیں اس معاملہ میں رہنمائی کے لئے کلام اللہ سے استمداد کرنی چاہیئے۔ خلافت کے ساتھ الہام ضروری ہے، اس بات کا قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے۔ قرآن مجید اس باب میں کہتا ہے:-

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ تم حکومت کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے کندھوں پر رکھو۔ جو اس کے اہل ہیں۔ اور جب تم حکومت اور انصاف کرو۔ تو عدل کو اپنا اصول بناؤ۔"

(۴: ۵۸)

قرآن شریف کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ حاکم کا تقرر لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ پس خلیفہ کو بھی جو مسلمانوں کا حاکم اعلیٰ ہوتا ہے۔ لوگ ہی مقرر کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کیلئے "لوگوں کی رائے لینا" ضروری ہے۔ پس نامزدگی یا تخصیص وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خلیفہ بہرحال منتخب ہونا چاہیئے۔

شیعہ علماء کی طرف سے نامزدگی کا جو نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ اُس کی تائید قرآن شریف میں کہیں نہیں ملتی۔ اور اُن کا یہ دعویٰ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو ظاہری یا خفیہ طور پر نامزد فرمایا تھا تاریخی طور پر بالکل بے بنیاد ہے۔ اس بات سے کہ حضرت علی رضؓ نے خود اپنے تین پیشرو خلفاء کی تصدیق کی سُنّی خیال کی بالکل تصدیق ہوجاتی ہے۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں۔ کہ:-

"حضرت علی رضؓ کی زندگی میں اس بات کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے پہلے دو خلفاء کے زمانہ میں خلافت کے لئے کسی قسم کا دعویٰ کیا ہو۔ یا اُن کو ایسا کرنے کا موقع ہی میسّر آیا ہو۔" (ابتدائی خلافت کی تاریخ صفحہ ۹)

اگر خلیفہ کا تقرر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تو اُسے

اپنی زندگی میں سب پر غالب بھی رہنا چاہیئے تھا۔ خلیفہ کا کام لوگوں پر حکمرانی کرنا اور اُن کی رہنمائی ہے۔ اور اِس مقصد کے لئے ضروری ہے۔ کہ لوگ اُس کو اِس کام کے لئے تسلیم کریں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ (رضی اللہ عنہما اجمعین) کو خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اور انہوں نے اپنا کام خوش اسلوبی سے چلایا جس سے صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے۔

یہ کہنا گستاخی کا موجب ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ ایک بندے کو خلیفہ مقرر کرتا ہے۔ لیکن نا اہل لوگ اُس کے حقوق اور اختیارات کو چھین سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدا کا نمائندہ خود بھی غاصبین کے سامنے جھک جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ تمام دنیا کو اُسے قبول کرلینا چاہیئے۔ لیکن کم از کم لوگوں کی ایک معقول تعداد کو جس میں وہ خود بھی شامل ہو۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ تاکہ اُس کے تقرر کا مقصد پورا ہو۔ لیکن یہ جب ہی ہوسکتا ہے۔ کہ اُسے منتخب کیا جائے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نبی یا مجدّد کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے۔ وہ خدا کی طرف سے براہِ راست مبعوث کیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لئے یہ بات قطعاً ضروری نہیں۔ کہ منکرین اُسے مسترد کردیں۔ لیکن خلیفہ مبعوث نہیں ہوتا۔ اس کا کام صرف یہ ہے۔ کہ وہ نبی کے مقرر کردہ اصول پر نبی کے کام کو چلائے۔ نبی ایک تحریک چلاتا ہے۔ اور اپنے پیچھے ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے۔ خلیفہ کا کام صرف یہ ہے۔ کہ وہ دیکھے کہ تحریک کس طرح پھیلتی، بڑھتی اور پھولتی ہے۔ لیکن اگر جماعت خلیفہ کو بھی نہ مانے۔ تو اُس کے تقرر کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ پس شیعی نقطۂ نظر بالکل بے بنیاد ہے۔

رائے عامہ لینا

رائے شماری کے چند طریق "محدود رائے شماری" "اجتماعی رائے شماری"، "قابلِ انتقال رائے شماری"، اور "خفیہ پرچہ اندازی" ہیں۔

اِس حقیقتِ نفس الامری کے علاوہ کہ اِن تمام طریقوں میں دھمکی۔ رشوت ستانی اور "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے مذموم اصول کے خطرات کا انسداد کرنے کیلئے قوانین پاس کرنے پڑتے ہیں۔ یہ امر بھی مسلّمہ ہے۔ کہ یہ تمام تجاویز اُس بنیادی اصول کو نظر انداز کرجاتی ہیں۔ کہ نمائندہ حکومت قائم کرنے کا یہ نظام رائے دہندگان کی حقیقی رائے کو جانچنے کیلئے بہرحال ایک مستبدانہ اندازہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

برطانوی شاہی کمشن کے سامنے یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۲ء میں بلجیم میں باوجود "متناسب نمائندگی" کے اراکین کی اکثریت، آراء کی اقلیت کے ذریعہ منتخب ہوئی تھی۔

مسٹر ہیف چشم اڈیٹر "دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) ایڈیشن گیارہ۔ لکھتے ہیں:۔

"حق یہ ہے۔ کہ نمائندے اپنے رائے دہندگان کے نقطۂ نظر کی اُسی طرح صحیح طور پر وضاحت نہیں کرسکتے۔ جس طرح کہ اگر رائے دہندگان سے براہِ راست استفسار کیا جائے۔ تو وہ کرسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہورہا ہے۔ کہ اب تمام

جمہوریت پسند ممالک نمائندگی کے علاوہ رائے دہندگان کی ذاتی رائے لینے کیلئے اُن سے براہِ راست استفسار بھی کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ نمائندگی کے دوش بدوش اب براہِ راست استفسار کا جُز بھی ضروری ہو گیا ہے۔"

اِسلام نے خلیفہ کے انتخاب میں یہ "براہِ راست استفسار" کا جُز قائم رکھا ہے۔ لوگوں کو اِس مقصد کے لئے ایک جگہ جمع ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ بنیادی اصول ہے۔ قاعدہ کے طور پر انہیں خلیفہ کے ہاتھ پر ذاتی طور پر بھی بیعت کرنی چاہیئے۔ لیکن چونکہ اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ اور اپنے آپ کو ہمہ گیر بنانے کیلئے اِس کے اصولوں میں ایک لچک ہے۔ اِس لئے طریق انتخاب کی تفاصیل لوگوں پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ البتہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے انتخاب کے چند موٹے موٹے اصول اِس میں بتا دِئے گئے ہیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"یہ تمہارا فرض ہے۔ کہ میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی پیروی کرو۔ اور اس پر کاربند رہو۔"

پھر اِس حکم کی بدیں الفاظ تائید کی:۔

"خلافت میرے پیرو کاروں میں صرف تیس۳۰ سال رہے گی۔ پھر بادشاہت ہو گی۔" (ترمذی)

اِن الفاظ کے مطابق اہلِ سنت والجماعت کے علماء نے یہ بات متفقہ طور پر تسلیم کر لی ہے۔ کہ یہاں مراد پہلے چار خلفاء سے ہے۔ پس انتخاب کے موٹے موٹے اصول انہیں چار مثالوں پر مبنی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب علیٰ عام میں ہوا۔ جہاں آپ اور رائے دہندگان کی ایک بڑی تعداد بذاتِ خود حاضر تھی۔ اجتماع عام تھا۔ اور ہر مسلمان اپنی رائے کو آزادانہ استعمال کر سکتا تھا۔ اور ایسا کیا گیا۔ ایک سے زائد نام پیش کئے گئے۔ لیکن اِس اعزاز کے لئے صرف حضرت ابوبکرؓ ہی کثرتِ آراء سے منتخب ہوئے۔ رائے شماری نہ تو "محدود" تھی۔ نہ "اجتماعی"۔ نہ "قابلِ انتقال"۔ نہ "متبادل" اور نہ "خفیہ" وہاں دھمکی۔ رشوت ستانی یا کسی اور غیر قانونی اور ناجائز طریقہ کا بھی جو آجکل کے نام نہاد مہذبانہ اور جمہوریت پسندانہ انتخابات کا خاصہ ہے، امکان نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس وہاں انسانیت کی بہترین مساوات، اخوت، ایمانداری اور اخلاص کی جھلک نظر آتی تھی۔ اور ہر شخص کو بعد ازاں اپنے منتخب کردہ شخص کے ہاتھ پر ذاتی طور پر قسمیہ بیعت کرنا پڑی۔ اور اِس طرح پر میور کے الفاظ میں

"حضرت ابوبکرؓ کے سامنے تمام اطراف سے عقیدت کا اظہار کیا گیا۔"

دوسرے دن پھر خطبۂ افتتاحیہ ارشاد فرمانے سے قبل آپ کو نعروں کے درمیان خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ آجکل کے انتخابات سے کس قدر مختلف طریق ہے آجکل تو انتخابات میں رائے دہندوں کا دخل کم ہو رہا ہے پارٹیاں اپنا نمائندہ خود ہی نامزد کر دیتی ہیں۔ اور رائے

دینے والوں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

دوسری مثال خلافتِ حضرت عمرؓ کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے قبل عبدالرحمٰنؓ اور عثمانؓ سے اور بعد ازاں طلحہؓ سے بھی مشورہ کیا۔ پھر آپ نے خواہش کی۔ کہ رائے عامہ بھی لے لی جائے۔ اِس لئے آپ نے مسجد نبویؐ میں جمع شدہ لوگوں کو آواز دی۔

"کیا تم میرے مقرر کردہ سے مطمئن ہو؟"

لوگوں نے بیک آواز جواب دیا۔

"ہاں! ہم اُس کی اطاعت کریں گے۔"

کوئی شخص اِسے مستبدانہ نامزدگی نہیں کہہ سکتا۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے مقرر کیا۔ لیکن تقرر کی تکمیل صرف اُسی وقت ہوئی۔ جب عوام الناس کی تصدیق اور تائید حاصل کر لی گئی۔ پس اِسے "انتخاب" کا نام دینا غلط نہیں۔ کیونکہ خلیفہ کا تقرر بہرحال رضامندیٔ عوام کے بعد ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ انتخاب کا طریق جداگانہ تھا۔ یہ تو حضرت ابوبکرؓ کا حُسنِ انتخاب تھا۔ کہ آپ نے رائے عامہ کی صحیح طور پر ترجمانی کی۔ اور ایک ایسے شخص کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جس پر آپ کو اعتبار تھا۔ اور وہ آپ کا رشتہ دار نہ تھا۔ اُسے انتخاب کہہ لو۔ یا نامزدگی۔ بہرحال یہ واقعہ ایک مثال کا کام دینے کے لئے کافی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا تقرر تیسری قسم کی مثال ہے حضرت عمرؓ نے چھ صحابہ کرامؓ کو جن کے متعلق آپ کو یقین تھا۔ کہ خلیفہ انہیں میں سے منتخب ہوگا۔ مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو جانشین منتخب کریں۔ چونکہ نگاہِ انتخاب عبدالرحمٰنؓ پر جو عوام کی آواز کی پہلے ہی نمائندگی کر چکے تھے۔ پڑی۔ اسلئے جب آپ نے حضرت عثمانؓ کو خلافت کا سلام دیا۔ تو سب نے آپ کی تقلید کی۔

حضرت علیؓ کا انتخاب اجتماع عام میں ہوا۔ اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے۔ کہ اگرچہ طریقۂ انتخاب ہر دفعہ جداگانہ تھا۔ لیکن بہرحال رائے عامہ کا دخل ضرور رہتا تھا۔ پس یہ اعزاز وراثتی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔

خلیفہ کا تقرر عمر بھر کیلئے ہوتا ہے

دوسری بات جو اِن امثلہ سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ خلیفہ کا تقرر ساری عمر کے لئے ہوتا ہے۔ اِس کے لئے سرًّا یا علانیہ، بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی مدّت معیّن نہیں ہوتی بلکہ اِس کا کبھی خیال بھی نہیں کیا گیا۔ دراصل ایسا ہونا ضروری بھی ہے۔ بکثرت انتخابات سے نہ صرف وقت اور روپیہ کی تضیع ہوتی ہے۔ بلکہ حکومت کا کام بھی رکتا ہے مزید برآں توازن، یکسانیت اور رابطہ میں بھی جو کسی قوم کی ترقی اور نشوونما کے لئے ازحد ضروری چیزیں ہیں فرق آتا ہے پھر اگر گذشتہ امراءِ حکومت وہی رہیں۔ تو اس سے بھی کام خراب ہو جاتا ہے۔ اور یہ حالت ہر قسم کی سازشوں اور بغاوتوں پر منتج ہوتی ہے۔

پس ملک و ملت کا فائدہ اِسی میں ہے۔ کہ امیر کا تقرر عارضی وقت کی بجائے تمام زندگی کے لئے ہو۔

دستبرداری نہیں ہو سکتی

اِس مرحلہ پر دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دستبرداری کا اور دوسرا معزولی کا۔

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جب کوئی شخص تمام زندگی کیلئے ایک عہدہ قبول کرتا ہے۔ تو وہ دستبرداری کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر تقرر کے وقت کوئی اِس قسم کی شرط طے کر لی جاتی۔ تو شائد ایسا کرنا ممکن ہوتا۔ لیکن تذکرۃ الصدر واقعات میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پس یہ امکان قابلِ اعتنا نہیں اگر ایسا ممکن ہوتا تو یہ ایک مقدس ترین فریضہ سے غداری کے مترادف ہوتا۔ جماعت کو خلیفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ اِس کام کے اہل ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو نہ صرف اُسکی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اُس کا اس کام کے لئے تقرر کرتے ہیں۔ اور وہ تمام زندگی کے لئے اس ذمہ واری کو قبول کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ دستبرداری کا خیال کرے تو یا تو یہ بیوقوفی کی انتہا ہوگی۔ اور یا ایک ایسی بزدلی اور بیوفائی جس کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِس سلسلہ میں امام حسینؓ کی مثال پیش کرنا کسی طور سے بھی مفید نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنے عہدہ سے باعزت مستعفی ہوئے۔ اگر کوفہ والوں کی اطاعت کی تصدیق باقی سلمان بھی کر دیتے۔ تو آپ کی دستبرداری یقیناً جائز ہوتی لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے خلافت کی عارضی قبولیت کے بعد استعفیٰ دیدیا۔

خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا

اِس کے بعد معزولی کی بابت یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خلیفہ کے تقرر کے وقت ایسی کوئی شرط قرار نہیں پاتی۔ اگر ہم خلافت کو محض ایک معاہدہ بھی تسلیم کریں۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے۔) تو بھی ہمیں گذشتہ مثالوں میں کوئی ایسی شرط نہیں ملتی۔ جسکی رُو سے خلافت کی تنسیخ ممکن ہوتی۔ یہ خیال ہی خارجی ہے۔ اگر کوئی ایسی دفعہ موجود ہوتی۔ تو یہ اعزاز قبول کرنے والا اپنے آپ کو رائے دہندگان کی مرضی یا رحم پر کبھی رہنے نہ دیتا۔ آخر اس کے پاس اپنے عہدہ پر قائم رہنے کیلئے کوئی ضمانت ہونی چاہیئے۔ ہر عقلمند آدمی اس بات پر اصرار کرے گا۔ کہ یا تو اس کے عہد خلافت کے لئے کوئی معیّن مدت ہونی چاہیئے۔ اور یا اس کے سامنے اس معاہدہ کی تنسیخ کے لئے کسی خاص شرط کا اظہار ہونا چاہیئے۔ اور پھر اس معاملہ میں جو طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ اُس کا بھی ذکر ضروری ہے۔ بہرحال یہ حد درجہ کی بے انصافی ہوگی۔ کہ ایک آدمی سے کوئی معاہدہ کیا جائے۔ اور اُس کو یہ بھی نہ بتایا جائے۔ کہ اُس کے لئے کیا ضروری شرائط ہیں۔ اور پھر یہ خود ہی فرض کر کے کہ کوئی ایسی شرط موجود تھی معاہدہ کی تنسیخ کر دی جائے۔ اِس کے برعکس خلیفہ کیساتھ جو صاف صاف معاہدہ ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اُسے زندگی بھر کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ پس پہلا مسلمہ اَمر یہ ہے۔ کہ معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر یہ اعزاز اتنا جلیل القدر اور مقدس ہے۔ کہ اگر مقرر شدہ کو ہر وقت معزولی کا خطرہ ہو۔ تو یہ اُس کی صریح ہتک ہے۔ میرے خیال میں یہ نہ صرف مذہب کی

بلکہ لوگوں کی بھی ہتک ہے۔ کہ وہ ایک انسب اور بہترین شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور پھر اُسے ایرا غیرہ نتھو خیرہ کے کہنے پر معزول کرنے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر اُن کا بہترین شخص تسلّی بخش نہیں رہتا۔ تو کسی دوسرے کا کیا حال ہوگا؟ شائد اگلا اُس سے بھی بدتر ثابت ہو۔ لیکن اُسے تبدیل کرنا بعید از عقلمندی سمجھا جائے۔

اِسی لئے ماوردی اور دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ :۔

"ایک باقاعدہ منتخب شدہ امام کی جگہ اُس سے بہتر شخص کو بعد ازاں مقرر نہیں کیا جا سکتا" (گب)

پس یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ :۔

"خلافت ایک باہمی معاہدہ ہے۔"

اور یہ کہ :۔

"خلیفہ بعض مقررہ اصولوں پر کاربند رہنے کے لئے مجبور ہے۔ اور اگر وہ اُن کی خلاف ورزی کرے۔ تو اُس کی اطاعت کا حق زائل ہو جاتا ہے"

ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے انتخاب کے وقت کسی قسم کی شرائط طے نہیں کی گئی تھیں۔ اور اُن کو یہ ہرگز نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ اگر وہ بعض مقرر کردہ اصولوں سے منحرف ہونگے۔ تو اُن کی اطاعت نہیں کی جائیگی۔ اور نہ اُن سے کسی اصول پر کاربند رہنے کے لئے کسی شخص نے بیعت لی۔ پس یہ نتیجہ بالکل غلط ہے۔

کہا جا سکتا ہے۔ کہ انتخاب کے وقت ایسی شرائط مخفی تھیں۔ لیکن اگر ایسا ہوتا۔ تو تینوں خلفاء میں سے کسی ایک کے زمانہ میں یہ سوال ضرور اٹھایا جاتا۔ لوگ ان خلفاء سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔ اُن سے کھلے بندوں لڑتے تھے۔ لیکن یہ امر حیرت خیز ہے۔ کہ انہوں نے اُن "مخفی شرائط" کے متعلق کبھی کوئی سوال نہ اٹھایا۔ نہ اُن پر اعتراض کیا۔ اور نہ ان کا کبھی کوئی حوالہ دیا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ معاہدہ میں (اگر کوئی معاہدہ تھا) ایسی کوئی شرائط موجود ہی نہ تھیں۔ جو قانوناً یا کسی اور طریق سے لوگوں کو بیعت سے یا خلیفہ کو خلافت سے جدا کر سکتیں۔

میں مانتا ہوں۔ کہ خلافت ایک اِسلامی ادارہ ہے اور یہ کہ منتخب شدہ اور رائے دہندگان دونوں کو مسلمان ہونا چاہیئے۔ اور نظریاتی لحاظ سے یہ ظاہر ہے۔ کہ اگر خلیفہ یا اُس کے رائے دہندگان مسلمان نہ رہیں۔ تو اُن پر اسلامی شریعت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک آدمی کہتا ہے۔ کہ میں مسلمان نہیں رہا۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ اس کی بات کو ماننا پڑے گا۔ اور اُسے جماعت میں کوئی عہدہ نہیں دیا جائیگا۔ (ماوردی اور بغدادی) لیکن جب ایک خلیفہ اپنے ایمان پر قائم ہے۔ اُس سے خلافت کی رِدا کیسے چھینی جا سکتی ہے؟ وہ کسی لحاظ سے معصوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ غلطیاں کر سکتا ہے۔ تاہم جب تک وہ اپنے اعزاز پر قائم ہے۔ اُسے تمام افعال میں آخری حَکَم تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس اپنے پیشوا اور مقتداء پر کسی عدالت کا بٹھانا عملی زندگی میں ممکن نہیں ہے۔

یہی حال سیاسی اور معاشرتی نقائص کا ہے۔

جج کون بنے گا؟ ڈی۔بی۔میکڈانلڈ "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" (برطانی دائرۃ المعارف) میں لکھتے ہیں۔کہ:۔
"اُسکی ذاتی بدکرداری بلکہ ظلم بھی اُسے معزول نہیں کرسکتا۔"
مسیحی مصنفین کی یہ عادت ہے۔کہ وہ اسلامی اصول کو اپنے مذاق کے مطابق توڑ مروڑ لیتے اور اُن کو اپنے اعتراضات کا ہدفِ نشانہ بناتے ہیں۔"ذاتی بدکرداری" کا ذکر کرنا واہیات ہے۔اِس کا یہ مطلب نہیں۔کہ اسلام ظلم اور بدکرداری کو برداشت کرلیتا ہے۔اِس کے صرف یہ معنی ہیں۔کہ حکومت کے افسرانِ اعلیٰ کو فتنہ پردازوں کی قبیح یورش سے محفوظ رکھا جائے۔اگر اعلیٰ افسر پر ہر کس و ناکس اعتراض کرسکتا۔ تو بے اطمینانی یا دشمنی کی ایک چھوٹی سی بات بھی معزولی کے لئے باقاعدہ کارروائی یا تجویز پر منتج ہوتی۔اِس سے خلیفہ کا کام بجائے اپنی اہم ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے شائد صرف یہ رہ جاتا۔کہ وہ ہر ایرا غیرہ کے حملوں سے اپنے آپ کو مامون و مصئون رکھنے کی تگ و دو میں لگا رہے۔ظاہر ہے۔کہ یہ صورتِ حالات نہ صرف نظامِ حکومت کو کالعدم کرنے والی ہے۔بلکہ ایک عام شرارت اور تمام جماعت کی بدنامی کا موجب بھی ہے۔
یہ اور بات ہے۔کہ خلیفہ احساسِ ذمہ داری یا انصاف کی خاطر اپنی ذاتی جائداد کے معاملہ میں اپنے اوپر ایک کمیشن بٹھائے۔لیکن اُس کے سرکاری حقوق اور اختیارات پر حملہ کرنا صریح ناانصافی اور محض حماقت ہے۔
الغرض اسلامی خلیفہ کی معزولی غیر مومن نبی کی طرح بالکل ایک انہونی بات ہے۔اور یہی وجہ ہے۔کہ خلیفہ کے عزل کے لئے کوئی قانونی ذریعہ اسلام میں نہیں رکھا گیا۔
اسلامی خلافت بطور ایک ادارہ کے ہابس کی بیان کردہ "کامن ویلتھ" کے مترادف ہے۔وہ کہتا ہے:۔
"کامن ویلتھ اس وقت بنتی ہے۔جب بہت سے افراد آپس میں عہد و پیمان کریں۔کہ جب وہ کسی شخص یا مجموعہ اشخاص کو اپنا نمائندہ مقرر کریں گے۔تو اُس کے جملہ افعال و اعمال اور فیصلہ جات کا اپنے ہی افعال و اعمال اور فیصلہ جات کی طرح تحفظ اور تصدیق بھی کریں گے۔" صہ ۱۲۰
ایسے حاکم کی معزولی کے متعلق ہابس لکھتا ہے۔کہ:۔
"اگر وہ اُسے معزول کریں گے۔تو گویا اُس کی ملکیت چھینیں گے۔اور یہ بھی ظلم اور ناانصافی ہے۔"
معاہدہ کے متعلق اس کا فیصلہ ہے۔کہ:۔
"یہ ظاہر ہے۔کہ جس کو حاکم بنایا جاتا ہے وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں کرتا۔کیونکہ یا تو اُسے تمام لوگوں کو ایک "جانب" (پارٹی) فرض کر کے معاہدہ کرنا پڑیگا۔اور یا ہر شخص سے جُدا جُدا کئی معاہدات ہونگے۔اب تمام کو "واحد جانب"

تصوّر کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ ابھی سب لوگ "واحد شخص" نہیں بنے۔ اور اگر وہ متعدد معاہدات کرے۔ تو حاکم بننے کے بعد وہ سب ناجائز ہو جائیں گے۔ کیونکہ جس فعل کو بھی کوئی شخص معاہدہ کی تنسیخ کے لئے پیش کرے گا۔ وہ نہ صرف حاکم کا اپنا بلکہ سب کا ہو گا۔ اور یہ اس لئے کہ اس کا ارتکاب انفرادی اور علی الخصوص اُن میں سے ہر ایک کے استحقاق کے طور پر ہُوا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اُن میں سے ایک یا زیادہ افراد کا یہ دعویٰ ہو۔ کہ حاکم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ لیکن باقی لوگوں یا حاکم کا اپنا خیال یہ ہو۔ کہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ تو اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کیلئے ثالث کوئی نہ ہو گا۔" ص ۱۲۲

جب "کامن ویلتھ" کا ہر رکن خلیفہ کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کرتا ہے۔ کہ وہ اُس کی ہر نیک بات میں فرمانبرداری کرے گا۔ تو اُس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ خلیفہ مجبور ہے۔ کہ وہ "نیکی" کی اُسی تعریف کو درست سمجھے جو فردِ مذکور کے ذہن میں ہو۔

علاوہ ازیں بیعت محض ایک بعد کی بات ہے۔ یعنی یہ اصل ادارہ کے قیام کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔ پس اس کا بعد ازاں کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہ اُن باتوں پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ جن کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ البتہ اگر اس شرط کو ادارۂ خلافت کا ضروری حصّہ خیال کیا جائے۔ تو اُس سے اور بھی پیچیدگیاں پیدا ہونگی۔ بیعت کے یہی الفاظ اُس وقت بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جب لوگ نبی پر ایمان لاتے ہیں۔ پس اگر اس قاعدہ کے مطابق اطاعت کو قانونی طور پر محدود قرار دیا ہو۔ تو یہی شرط ہمیں نبی سے بھی کرنی پڑیگی۔ یعنی ہم صرف اُن باتوں کو مانیں گے۔ جو ہمارے اپنے نظریہ کے مطابق نیک ہونگی۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ نہ صرف ایک مسلّمہ اصول بلکہ کلام اللہ کے حکم اور منشاء کے بھی خلاف ہے۔ اسلام کے معنی مکمل فرمانبرداری کے ہیں۔ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمارا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ہر شوشہ اور اُس کی تفصیلات پر ایمان نہ لائیں۔ اِسمیں ہمارے ذاتی رجحانات کو دخل نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ عبدالرحمٰنؓ نے تقرر سے قبل حضرت عثمانؓ سے ایک معاہدہ لیا تھا۔ میرے متذکرۃ الصدر نتیجہ کی تغلیط نہیں کرتا۔ اوّل تو یہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی باقیماندہ تین مثالوں میں سے واحد مثال ہے۔ دوسرے یہ صرف عبدالرحمٰنؓ کی اپنی اختراع تھی۔ اگر یہ سوال حضرت عثمانؓ کے سامنے نہ بھی رکھا جاتا۔ تو بھی انتخاب شرعاً جائز تھا۔ اِس بات کے لئے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کہ یہ سوال اِس لئے اٹھایا گیا۔ کہ وہ انتخاب کا ضروری جزو تھا۔ پھر یہ لوگوں کی خفیہ یا علانیہ مرضی کے مطابق دریافت بھی نہیں کیا گیا۔ اِس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ اصطلاحی طور پر دوکو

کے پابند نہیں ہوئے۔ اگر آپ پابند بھی ہوتے۔ تو یہ آپ کے عزل کے لئے کافی وجۂ جواز نہ تھی۔ کیونکہ اس مطلب کا پہلے کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔ شبہات دور کرنے کے لئے ایسا موقع ضرور پیدا ہوا۔ لیکن آپ نے بالکل برعکس مثال قائم کی۔ باغیوں اور فتنہ پردازوں نے یقیناً آپ سے معزولی کا مطالبہ کیا۔ لیکن آپ نے صاف طور پر انکار کر دیا۔ اور اس کے ثبوت میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان پیش کیا جو بطور پیشگوئی آنحضرت صلعم نے آپ کے باب میں صادر فرمایا تھا۔ یعنی:۔

"اللہ تعالیٰ تجھے ایک خلعت پہنائیگا۔ اگر لوگ اُسے اتارنے کا مطالبہ کریں۔ تو تو اُسے اتاریو مت۔" (ترمذی)

چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے باغیوں کو بدیں الفاظ مخاطب کیا:۔

"جہاں تک معزولی کا تعلق ہے۔ میں وہ ردا ہرگز نہیں اتاروں گا۔ جو خدا تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ تاکہ یہ میرے بعد بطور مثال قائم نہ ہو جائے۔ جب کبھی لوگ کسی اولی الامر کو ناپسند کریں گے۔ تو وہ اُسے معزول کر دینگے"
"عقد الفرید" ص۸۳

اسی طرح حضرت علی رضؓ بھی معزولی کے مطالبہ کے سامنے نہ جھکے۔ اگر عبدالرحمٰن کا سوال حضرت عثمان رضؓ کے شوریٰ انتخاب کا ضروری جزو تھا۔ یعنی اُس کی خلاف ورزی سے معزولی لازم ہو جاتی تھی۔ تو باغیوں نے اُس کا فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟ حق یہ ہے۔ کہ باغیوں نے اس بند کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ اور یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے۔ کہ عبدالرحمٰن کا سوال اور حضرت عثمان رضؓ کا جواب خلافت کے مزعومہ "معاہدہ" کی تنسیخ کے لئے شرعی طور پر کوئی وجۂ جواز نہیں بن سکتا۔

آگے بڑھنے سے قبل اب مجھے ایک اور سوال کا فیصلہ کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ وہ اکثر "جمہوریت پسندوں" کے دل میں کھٹک رہا ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ کے انتخاب میں "لوگوں کی مرضی" کا ہاتھ ہوتا۔ تو قرین انصاف یہی ہے۔ کہ انہیں اس کی برخواستگی کا بھی حق دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے۔ تو اسلام "جمہوریت پسند" مذہب نہیں ہو سکتا۔

اس سوال کا جواب دینے سے قبل مجھے یہ امر واضح کر دینا چاہیئے۔ کہ اس بات کا فیصلہ کرنے کیلئے کہ آیا اسلام جمہوریت پسند مذہب ہے یا نہیں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیئے۔ جمہوریت کی مخالفت اور موافقت میں علیحدہ دلائل ہیں۔ لیکن ہمیں دنیا میں کسی جگہ بھی جمہوریت اپنی پوری شکل میں نظر نہیں آتی۔ یہاں جس چیز پر ہم غور کر رہے ہیں۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ اسلام کے نظام حکومت کی شکل کیا ہے اور اُس کی معقولیت اور خوبی کے بارہ میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ خلافت کے انتخاب میں لوگوں کی مرضی کا دخل ہوتا ہے۔ اور آیات قرآنیہ (۴ : ۵۸) کے مطابق جہاں تؤدوا الامانات کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حاکم بنانے کا اختیار لوگوں کو پہنچتا ہے اور

جہاں تک انتظامیہ اختیار کا تعلق ہے۔ وہ لوگوں کی طرف سے ہی حاکم کو ودیعت کیا جاتا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ "لوگوں کی مرضی" شریعت پر بھی حاوی ہے۔ لوگ ہر بات کے متعلق کسی طرح سے بھی مختار نہیں ہیں۔ وہ عام جمہوری ممالک کی طرح قانون نہیں بنا سکتے۔ قانون تو شریعت کی صورت میں پہلے ہی موجود ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی کیا گیا تھا۔ اور اُس میں تغیر کرنے کا استحقاق خلیفہ کو بھی نہیں ہے۔ شریعت ایک مفصّل قانون ہے۔ جو انسانی حیات کے ہر شعبہ کو حصر کرتا ہے۔ اِس کی عملی زندگی میں تطبیق یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ دنیا میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ بعض اشیاء ظاہری طور پر لوگ بنا سکتے ہیں۔ لیکن بعد از اں وہ انہیں نہ توڑ سکتے ہیں۔ اور نہ انہیں اُن پر کوئی اختیار رہتا ہے۔ مثلاً بچّہ کی مثال لے لو۔ ایک عورت اور مرد اکٹھا رہنے کا دعدہ کرتے ہیں۔ اور اِس طرح ایک ذی روح کی تخلیق کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو انہیں اُس کی زندگی لینے کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ بلکہ اگر وہ اُسے قتل بھی کر دیں۔ تو بھی رُوح کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتی ہے۔

اسی طرح لوگ بے شک خلیفہ کے تقرر کا آلہ ہیں۔ لیکن وہ اُس کے حقیقی بنانے والے نہیں۔ اور جب خلیفہ بن جاتا ہے۔ تو وہ اُسے کسی طریق سے بھی ہٹا نہیں سکتے۔

ایک شخص جس کے دماغ میں ذرّہ بھی عقل ہو۔ یہ ہرگز نہیں کریگا۔ کہ وہ آج ایک چیز بنائے اور کل اُسے توڑ دے۔ بلکہ پتھر کی عمارتیں بھی لوگ اس لئے نہیں بناتے۔ کہ وہ انہیں فی الفور گرا دیں گے۔ جب کچھ لوگ ایک عمارت مثلاً کوئی یادگار، محل یا قلعہ بناتے ہیں۔ تو وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتے۔ کہ کم از کم اُن کی عین حیات میں یہ عمارتیں تباہ کر دی جائیں۔ پس پھر خلیفہ کو اُسکی زندگی میں معزول کیوں کیا جائے۔ علی الخصوص جب کہ سنّتِ رسولؐ بھی نہایت مقدّقہ ہے۔ اور یہ بھی متغیر نہیں ہو سکتی۔

جس چیز کے لئے خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ وہ صرف شریعت کی نظامت ہے۔ پس اِس لحاظ سے حکومت کا اختیار براہِ راست خدا تعالیٰ سے جو اصل بادشاہ ہے مِلتا ہے۔

الغرض صادق خلیفہ نہ صرف مسلمانوں کا امیر ہے بلکہ وہ خدا کا مقرر کردہ اور نبی کا نمائندہ بھی ہے۔ پس لوگوں کو اُسے معزول کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ایک سچا مسلمان اس بات کا خیال بھی نہیں کریگا۔ اور یہی پہلو در اصل سب سے اہم ہے۔

جب تک خلیفہ کا کام خدا تعالےٰ کے قانون کا نفاذ ہے۔ اُس وقت تک یہ خدا کا کام ہے۔ کہ وہ دیکھے۔ کہ صحیح آدمی کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں یہ بالصراحت مذکور ہے۔ کہ اِسلامی خلفاء کو خدا تعالیٰ خود مقرر فرماتا ہے۔ چنانچہ اِس مضمون کی

آیۂ شریفہ یہ ہے :۔

"خدا تعالیٰ نے تم مومنین اور صلحاء سے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ زمین پر اپنے خلفاء مقرر فرماتا رہیگا جس طرح اُس نے قبل ازیں کیا۔ وہ اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے چنا ہے قائم کریگا۔ اور خوف کے بعد انہیں اُس کی جگہ امن دیگا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے۔ اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد منکر ہونگے۔ وہ فاسق ہیں " (۲۴: ۵۶)

پس خلفاء کی معزولی کا اختیار لوگوں کے پاس ہرگز نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ خلیفہ کو لوگ منتخب کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ وہ انتخاب کے بعد اسے جو جی چاہے سلوک کر سکتے ہیں۔ اُس کی جماعت نے حکومت کا کام کرنے کے لئے اُسے بطور ایک بہترین آدمی کے منتخب کیا ہے۔ آخر وہ ایک چپڑاسی تو نہیں ہے۔ جس کو ہر لمحہ برخواست کیا جا سکتا ہے۔

وہ شخص یقیناً بے وقوف ہوگا۔ جو آج ایک گھر بناتا ہے۔ اور کل اُسے مسمار کر دیتا ہے۔ ایک بیوقوف قوم بے شک اپنے تمام نظام اور قلعہ بندی کو بیک لمحہ توڑ سکتی ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

چند فتنہ پرداز اپنی ذاتی اغراض کی بنا پر خلیفہ کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ اُسے قتل بھی کر سکتے ہیں۔ (اور اس سے حضرت عثمان رضؓ کا قتل مستثنیٰ نہیں ہے) لیکن یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ انہیں اور اُن کی اولادوں کو اس بدترین جرم کی سخت ترین سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور انہیں اس کا عبرتناک بدلہ ملیگا۔

یہ سب کچھ ممکن ہے۔ لیکن یہ بالکل کذب اور افتراء ہے۔ کہ اسلام معزولی کی اجازت دیتا ہے۔ تمام علمائے اہل سنت والجماعت اس فیصلہ پر مجتمع ہیں۔ اور افسوس ہے اُس آدمی پر بلکہ لعنت ہے اُس پر جو جان بوجھ کر اندھا بنتا ہے۔ اور اپنے تمام دنیا کے خالق سے جنگ آزما ہونے کی سعی کرتا ہے۔ کاش وہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ بلکہ اس سے بہتر تھا۔ کہ وہ اس سراپا رحمت ادارہ کو دیا سلائی دکھانے سے قبل ہی مر جاتا۔

کیا خلیفہ مطلق العنان ہے؟

میں ثابت کر چکا ہوں کہ خلیفہ کو بالعموم منتخب کیا جاتا ہے۔ اُس کا یہ اعزاز زندگی بھر کیلئے قائم رہتا ہے۔ اور وہ معزول نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ اسلام عوام الناس کے حقوق کی محافظت نہیں فرماتا۔ یا یہ کہ اُن کی کسی امر میں بھی آواز نہیں ہے۔ لوگ خلیفہ کی مرضی اور رحم پر نہیں چھوڑ دیئے جاتے بلکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ خلافت ایک امانت ہے۔ پس اُس کو قبول کرنے والے پر چند ذمہ واریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ لوگوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے سب سے بڑا تحفظ وہ ناقابل تغیر شریعت ہے جو قرآن مجید اور احادیث شریف میں مذکور کی گئی ہے

خلیفہ کلام اللہ اور اقوال رسولؐ پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہ خلافت کے "معاہدہ" کی کوئی خفیہ یا علانیہ شرط ہے۔ بلکہ اس لئے کہ خلیفہ اپنے تقرر سے قبل ایک لمبے عرصہ تک ایک سچا مومن ثابت ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری کا لوگوں کے اندر اسقدر اعتبار جمالیا ہے۔ کہ وہ اُسے اس اعزاز کے اہل اور قابل سمجھتے ہیں۔ یہی پرہیز گاری بہترین تحفظ ہے۔ ورنہ محض زبانی اقرار تو اکثر اوقات ردی کاغذ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

پھر خلیفہ اسلامی شریعت میں تبدیلی یا ترمیم نہیں کرسکتا اور وہ اُس کا اتنا ہی پابند ہوتا ہے۔ جتنا کہ دوسرے لوگ، اور یہی چیز ہے۔ جو اسلام کو جمہوریت پسند ثابت کرتی ہے۔ بحیثیت ایک فرد ہونے کے بادشاہ کو شریعت کے علاوہ کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور یہی مذہب کا مقدس ترین آئین ہے۔

پھر خلیفہ کو لوگوں سے مشورہ لینے کی بھی ہدائت کی گئی ہے۔ قرآن شریف کا حکم ہے۔ کہ مسلمانوں کو اپنے کام باہمی مشورہ سے سرانجام دینا چاہئیں (۴۲ : ۳۹) بلکہ رسول کریم کو بھی جن سے تمام خلفاء اپنے اختیارات حاصل کرتے ہیں۔ یہ ارشاد فرمایا گیا۔

"حکومت کیلئے ان سے مشورہ کرلیا کر لیکن جب تو کسی امر کا فیصلہ کرلے تو صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھ۔" (۳ : ۱۵۹)

"خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہوسکتی۔"

(ازالۃ الخلفاء)

پس یہ ظاہر ہے۔ کہ خلیفہ کے لئے رائے عامہ کا جانچنا ضروری ہے۔ اور یہی جمہوریت کی اصل رُوح ہے البتہ اس کو جانچنے کیلئے کوئی خاص قواعد وضوابط نہیں ہیں۔ یہ خلیفہ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ وہ رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے اقتضائے وقت دیکھے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہے مشورہ لے سکتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں رائے لے سکتا ہے۔ خواہ وہ اہم ہو یا غیر اہم۔ اور اُس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ لیکن مشورہ لینا بہرحال ضروری ہے۔ "مشورہ سے جماعت کے ہر شخص کا تجربہ علم اور عقل بڑھتی ہے۔" توازن اور حُسن کارکردگی کی خاطر خلیفہ کو اپنے فرائض ہوشیاری سے سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ پس اسلام لوگوں کو اپنی آواز پہنچانے کا کافی موقعہ دیتا ہے۔ اور خلفائے راشدین اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہر خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ لوگوں کی رائے کو کافی وقعت دے۔ اگرچہ یہ درست نہ ہوگا۔ کہ وہ بے ضابطہ رائے کے سامنے بھی جھک جائے۔ کیونکہ اُس کا نتیجہ سوائے شورش اور بدامنی کے کچھ نہ ہوگا۔ اگر ضروری ہو۔ تو خلیفہ رائے کو مسترد بھی کرسکتا ہے۔ آخر لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ اور چونکہ شریعت جس کا انتظام خلیفہ کے سپرد ہوتا ہے۔ ایک الٰہی عطیہ ہے اسلئے اُسے محتاط ہونا ضروری ہے۔ خلیفہ ایک ایسی شریعت کا نگہبان ہے۔ جو لوگوں کے صحیح ترین حقوق اور اختیارات کی محافظ ہے۔ پس اگر لوگوں کی ہر خواہش

پوری ہو جائے۔ تو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکیں گے۔ اور اگر وہ صحیح طور پر تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ (جیسا کہ آجکل ہے) تو بہت ممکن ہے۔ کہ لوگ تنزل پذیر ہو جائیں۔ ایتھنز کے پادریوں نے ارسطو کو مجبور کیا۔ کہ وہ "جمہوریت" کے معانی کو "ہر دلعزیز حکومت" تک محدود رکھے۔ پس خلیفہ کو نہ صرف رائے عامہ لینے کی ہدائت کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ وہ شریعت کی روشنی میں دیکھے کہ رائے عامہ اپنے صحیح راستہ سے بھٹک تو نہیں گئی۔ الغرض اسلام کے آئین میں لوگوں کے ہر جائز حقوق اور اختیارات کے تحفظ کا پورا پورا انتظام ہے۔

شخصی آزادی

اسلام خلیفہ کی مکمل اطاعت کی تعلیم دیتا ہے (مسلم و مشکوٰۃ) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ افراد کو اپنی ذاتی رائے رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہر شخص کو عام مسائل میں اپنی ذاتی رائے رکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جماعت کا رکن بننے کے لئے ہر شخص کو مذہب کے بنیادی اصول پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ورنہ وہ رکن نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اس کے علاوہ وہ دوسرے مسائل پر ذاتی رائے رکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ پسندیدہ امر ہے۔ کہ وہ جملہ مسائل پر خود غور کرے۔ لیکن جہاں اس کی رائے عام رائے سے مختلف ہو۔ وہاں اُسے تشہیر کی اجازت نہیں ہے۔ تاکہ جماعت میں فتنہ پیدا نہ ہو۔

اگر اسلامی حکومت کا کوئی فرد ایمانداری اور اخلاص سے یہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ جماعت کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ تو اُسے اپنے اس ارادہ کا اظہار کرنے کی پوری پوری آزادی حاصل ہے۔ اور وہ نہائت خوشی سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص سمجھتا ہے۔ کہ خلیفہ روحانی قائد یا امیر بننے کا مستحق نہیں ہے۔ تو وہ بیعت منسوخ کر سکتا ہے۔ اسلام میں ضمیر کی پوری آزادی ہے۔ لیکن یہ کہنا ضروری ہے۔ کہ ایسا کرنا نہائت خطرناک اقدام ہے۔ خلیفہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور اُس کی نافرمانی کرنا اپنے آپ کو نور اور ہدائت سے محروم کرنا ہے۔ پس یہ نہائت ضروری ہے۔ کہ اس فیصلہ سے قبل خوب سوچ سمجھ لیا جائے۔

اس بات کی بھی احتیاط کرنی چاہیئے۔ کہ اس آزادئ رائے کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ منافق کو بغاوت کھڑی کرنی خلیفہ یا مذہب کے خلاف دوسرے کے دلوں میں بغض پیدا کرنا یا کوئی ایسا فعل کرنا جس سے خلیفہ کی ذات یا اُس کے اعزاز کو کوئی نقصان پہنچے سخت ناپسندیدہ امر ہے۔ ایسے فعل کو بغاوت یا غداری کے مترادف سمجھا جائیگا۔ پس خلیفہ کے دائرہ حکومت میں کوئی فتنہ پردازی نہیں ہونی چاہیئے۔

ان انتہائی باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو ہر حال میں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ عبیدہؓ کی روائت ہے کہ:۔

"حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کہ مسلمانوں کو بہرحال اپنے امیر کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ سوائے اِس کے کہ وہ اس میں کفر بواح دیکھیں۔ اور اُس وقت بھی انہیں خدا تعالیٰ سے طریقۂ کار کے لئے استمداد کرنی چاہیئے۔"

(بخاری کتاب الفتن)

اگر جماعت کا کوئی بہی خواہ محسوس کرتا ہے کہ خلیفہ حکومت یا مذہب کے فرائض شریعت کے مطابق باحسن طریق سرانجام نہیں دے رہا۔ اور وہ لوگوں پر ظلم کرکے محض اپنی طاقت بڑھا رہا ہے۔ تو اُسے نہائت ادب اور جرأت سے اپنا مشورہ پیش کر دینا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

لیکن اگر خلیفہ اپنے غلط طریقۂ کار پر اصرار کرے اور بہی خواہ کے پاس بدنظمی کی درستی کے لئے کوئی قانونی اور جائز طریقۂ کار نہ رہے۔ تو اُسے ملک میں فساد یا شورش پیدا نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر وہ چاہے۔ تو ملک سے ہجرت کر سکتا ہے۔ لیکن بہترین طریق یہی ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کے آگے جھکے اور اُس سے دعا کرے۔ کہ اگر میں حق پر ہوں۔ تو تُو خلیفہ کو راہِ راست پر چلا۔ اور اُس کے گناہ معاف کر۔ پھر اگر وہ سچا مومن ہے۔ تو خلیفہ کو خدا پر چھوڑ دے۔

چرچ اور سٹیٹ

اَب مَیں خلیفہ کے فرائض کی تفاصیل میں جانے کے بغیر بعض موٹے موٹے اصول بیان کرتا ہوں۔ جنہیں نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ سر تھامس آرنلڈ لکھتے ہیں:-

"اسلام میں پادریت یا ایسے آدمی نہیں ہیں۔ جن کو عوام کیطرف سے مذہبی امور کی انجام دہی کیلئے مختص قرار دیا گیا ہو۔"

یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ کہنا قدرے الجھن کا باعث ہے۔ کہ:-

"اسلامی دنیا میں "چرچ اور سٹیٹ" کے درمیان جو مسیحیت میں اسقدر متنازع فیہ امر رہا ہے زیادہ تفریق نہیں کی جاتی۔"

"سٹیٹ" کے لفظ میں "مطلق نظام حکومت" یا محکوم کی بجائے "حکام" کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ہربرٹ سپنسر نے یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

"چرچ" کا لفظ پہلے اس عمارت کیلئے مستعمل ہوتا تھا۔ جو مسیحی عبادت کے کام آتی لیکن اَب اِس کا مطلب "مسیحی جماعت" ہو گیا ہے۔

پس عام معنوں میں یہ دونوں لفظ حاکم اور عوام کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

اَب یہ امتیاز اسلام میں بالکل واضح ہے۔ حاکم جماعت کو اسلام میں "اولی الامر" کہتے ہیں۔ اور "چرچ" تمام مسلمان ہیں۔

یہ امتیاز ایک اور طرح سے بھی واضح ہو سکتا ہے۔ "سٹیٹ" مادیات سے متعلق ہے۔ اور "چرچ" روحانیات سے، وہ تعلق بالناس کی تشریح کرتی ہے۔ اور یہ تعلق باللہ کی۔ اسلام میں اِن دونوں فرائض (تعلق باللہ اور تعلق بالناس) کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ کہ:۔
"آپ "سٹیٹ" کے بھی امیر تھے۔ اور "چرچ"
کے بھی۔ آپ میں "پوپ" اور "قیصر" دونوں
جمع تھے۔"

یا یہ کہ آپ عیسیٰ مسیح بھی تھے۔ اور رومی بادشاہ
بھی۔ جس کی آپ رعایا تھے۔ پس آنحضرت صلعم کے
جانشینوں کو یہ دونوں فرائض سرانجام دینا پڑے۔
بحیثیت "سٹیٹ" کے حاکم ہونے کے خلیفہ کو
جسم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور بحیثیت "چرچ" کے
امیر ہونے کے اُسے رُوح کی طرف توجہ دینا پڑتی ہے۔

واں کریمر لکھتا ہے:۔
"آنحضرت صلعم جنگوں کی کمان بھی کرتے تھے۔
اور فوجی معاملات کی تنظیم اور ان کے بند و بست
کی طرف بھی متوجہ رہتے۔ آپ ایک طرف
مالیات کا انتظام فرماتے۔ تو دوسری طرف
نظامت اور انصاف کے محکمے بھی آپ کے
سپرد رہتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ عام روحانی
امور کی قیادت بھی فرماتے۔ الغرض آپ مسلمانوں
کی مذہبی جماعت کے روحانی اور دنیاوی پیشوائے
اعظم تھے۔" ص ۲۴۴

پس خلیفہ کے فرائض مذہبی بھی ہیں۔ اور سیاسی اور
غیر مصافی بھی۔

ابن خلدون کہتا ہے:۔
"خلیفہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا نائب اور معاون ہے۔ وہ روحانی قائد ہونے
کے علاوہ دنیاوی حاکم سے بھی کچھ بالا ہے۔"
(صفحہ ۳۱۹)

سر ولیم میور لکھتا ہے:۔
"خدا سے براہِ راست حاصل کردہ حکومت
جو حضرت محمد صلعم فرمایا کرتے تھے۔ آنحضرت
پر ختم ہو گئی۔ لیکن امارت کا کام آپ کے
جانشینوں کو ورثہ میں مل گیا۔" ص

یہ صحیح ہے۔ کہ خلیفہ نبی نہیں ہوتا۔ (اگرچہ ابتدائی
زمانہ میں خلیفہ بعض اوقات نبی بھی بن جاتا تھا۔ اور بعض
اوقات نبی کو خلیفہ بھی کہتے رہے ہیں لیکن یہاں میں ان
دونوں کے اصلی فرق کو ملحوظ رکھ رہا ہوں) لیکن اس
کا یہ مطلب نہیں۔ کہ نبی کے جانشین کو اُس کے گوناگوں
فرائض کی ادائیگی کے نااہل ہونا چاہیئے۔ خلیفہ کو خدا
تعالےٰ کی طرف سے کوئی نئی شریعت نہیں ملتی۔ لیکن
نبی کا کام محض شریعت لانے یا پیشگویاں لانے تک
محدود نہیں ہے۔ بعض انبیاء کوئی شریعت نہیں لاتے
پھر بھی وہ خدا کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوتے
ہیں۔ پس نبی کا کام محض قانون دان سے بالکل مختلف
ہوتا ہے۔ بلکہ پیشگویاں کرنا بھی اصل مقصد نہیں ہوتا
نبی کا ابتدائی اور اصلی کام روحانی اصلاح ہے۔
قرآن شریف میں ان فرائض کی طرف مندرجہ ذیل آیت
میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

"اے خدا اِن میں ایک نبی مبعوث کر۔ جو انہیں میں سے ہو۔ اور جو اُن کے سامنے تیرے نشانات بیان کرے۔ اُن کو کتاب پڑھائے حکمت سکھائے۔ اُن کا تزکیہ کرے۔ کیونکہ تو زبردست علیم و حکیم ہے۔" (۲: ۱۲۹)

خلیفہ کو بھی نبی کا کام ہی کرنا پڑتا ہے۔ پس سر تھامس آرنلڈ نے یہ بالکل غلط لکھا ہے۔ کہ:۔

"خلیفہ کو کوئی روحانی امور سرانجام نہیں دینا ہوتے۔" صا۴

اُس نے نبیوں کی بعثت کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ ایک دوسری جگہ وہ لکھتا ہے:۔

"خلیفہ کا کام محض سیاسی ہے" ص۱۷

یہ بھی بالکل غلط ہے اسلامی خلفاء کے متعلق وان کریمر لکھتا ہے:۔

انہوں نے ایک وسیع سلطنت اور عربوں جیسے نظم و ضبط سے بیگانہ شورش پسند لوگوں پر حکومت کی۔ یہ اختیار اُن کو مذہب کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اور ایسے اختیارات رسمی طور پر مقدس بنائے ہوئے اسلامی پادریوں کو ہمیشہ تفویض کئے جاتے ہیں۔" ص۲۴۵

اسلام میں "پادریت" یا "رسمی تقدیس" نہیں ہوتی۔ البتہ یہ درست ہے۔ کہ خلفاء متقی اور پرہیز گار اشخاص ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگیاں خدمت خلق اور خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر چھوڑا کرتے ہیں۔ پس خلیفہ خواہ بادشاہ ہو۔ زیادہ تر روحانی پیشوا ہوتا ہے۔

متاخرین کو بھی یہی غلطی لگی ہے۔ خلفاء حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح بادشاہ بھی تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ محض حکمران تھے بلکہ اُن کے فرائض کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع تھے۔ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی کام بے شک اچھے ہیں۔ لیکن اوّل تو انسان کا مقصد اِن سے بلند ہے۔ اور دوسرے اِن کاموں میں اکملیت کے لئے بھی لوگوں میں روحانی انقلاب پیدا کرنا ضروری ہے۔

پس خلیفہ کا کام خواہ وہ بادشاہ ہو۔ محض حکمرانی سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور بلند ہے۔ اگر کسی بعد کے اشخاص نے اپنی حیثیت کو نہ سمجھا۔ تو یہ قصور اُن کا تھا۔ نہ کہ مذہب کا جس کی وہ نمائندگی کرنے کا دم بھرتے تھے۔ خلفائے راشدین نے اپنی حیثیت کو بخوبی سمجھا۔ اور باوجود مشکلات کے اپنے فرائض باحسن طریق سرانجام دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اُن کی تقلید کرنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اِس سلسلہ میں ایک اور بات یہ یاد رکھنی چاہئیے۔ کہ چونکہ حضرت عیسیٰ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے اِس لئے عیسائیوں کو اپنی ضروریات کے مطابق اپنا جداگانہ مذہبی اور دنیاوی قانون تراشنا پڑا۔ لیکن اسلام میں ایک مذہبی اور دنیاوی ہمہ گیر شریعت موجود ہے۔ جو نہ صرف نظری طور پر کلام اللہ میں مذکور ہے۔

بلکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسپر اپنی زندگی میں عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔ اب کسی شخص کو شریعت میں تغیر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ پس اسلام کے علماء اور ... اب اختیار کا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے۔ کہ وہ مناسب قانون شریعت سے اخذ کر کے اُس کا اپنی بہترین قابلیت کے مطابق نفاذ کرائیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں روحانی اور دنیاوی قوانین کے درمیان کبھی کوئی تنازع پیدا نہیں ہوا۔

اس کے برعکس مسیحیت میں کلیسا کی تنظیم حالات اور مقتضیاتِ وقت کے مطابق ہوتی تھی۔ اور مسیحی قانون دانوں کے قواعد اور معدلت کے رجحانات مختلف ہوتے تھے۔ بعض اوقات اُن کے مذہبی اور دنیاوی قوانین میں اختلاف بھی ہو جاتا۔ جس کے نتیجہ میں کبھی کلیسا کو فتح ہوتی اور کبھی شکست۔

مثلاً انگلستان میں آجکل بادشاہ کے اختیارات سب سے زیادہ وسیع سمجھے جاتے ہیں۔ اور نظری لحاظ سے وہ کلیسا اور حکومت دونوں کا سوادِ اعظم ہے اگرچہ عملی طور پر دارالعوام کی رائے سب باتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ اب ملک میں پہلے کی طرح کلیسائی عدالتیں نہیں ہیں۔ اور مذہب کا اثر بجائے عام ہونے کے صرف ذات تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ الغرض فی زمانہ تمام مسیحی ممالک میں دنیاوی حکومت مذہبی قوانین پر غالب نظر آتی ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شریعت اسلام کا صرف بادشاہوں اور حاکموں پر اطلاق نہیں ہوتا۔ ہم سے "مذہبی" اور "دنیاوی" کے الفاظ محض مغربی لوگوں پر اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے استعمال کئے ہیں ورنہ در اصل خدا تعالیٰ کی کتاب اس قسم کے دو حصوں میں منقسم نہیں ہے۔ کتاب اللہ تو صحیفۂ قدرت کیطرح ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے بنایا ہے۔ قرآن سب کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے۔ سائنسدان، سیاستدان، ماہرین اقتصاد اور مذہبی لوگ سب اُس سے مساوی طور پر اکتساب ہدائت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح راعی اور رعایا اور حاکم اور محکوم کو بھی اس میں سے ایسے قوانین اور اصول مل سکتے ہیں۔ جو اُن پر منطبق ہوتے ہیں۔ پس اگر مسلمان حاکم اور بادشاہ ہوں، تو انہیں اسلامی قوانین پر چلنا ہوگا۔ اور اگر وہ محکوم اور رعایا ہوں۔ تو انہیں اُن قوانین پر عمل کرنا ہوگا۔ جو انہی کے لئے قرآن شریف میں نازل فرمائے گئے ہیں۔

پس اس لحاظ سے "چرچ" اور "سٹیٹ" یا مذہب اور حکومت ایک ہی چیز نہیں بلکہ الگ الگ ہیں۔ مثلاً ہندوستانی مسلمان آج کل اپنا "چرچ" بنا سکتے ہیں۔ لیکن حکومت میں اُن کا بہت کم حصہ ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ اسلام پر عمل کر سکتے ہیں۔ مسیح نے بھی اپنے اس مقولہ میں اسی طرف اشارہ کیا تھا:۔

"خدا کا حصہ خدا کو دو۔ اور قیصر کا قیصر کو۔"

بادشاہت ضروری نہیں

اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین بادشاہ تھے لیکن نبوت کے لئے بادشاہت ضروری نہیں ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہونے سے قبل بھی نبی ہی تھے۔ پھر کئی ایسے نبی ہو گزرے ہیں۔ جو بادشاہ نہیں تھے۔ مثلاً مسیح بادشاہ نہ تھے۔ اگرچہ کانٹوں کا ایک تاج آپ کے سر پر موجود تھا۔

بادشاہ ہوں یا نہ ہوں، لیکن خدا تعالےٰ کے انبیاء روحانی حاکم ہوتے ہیں۔ اُن کی بادشاہت زیادہ تر آسمانی ہوتی ہے۔ وہ زمین پر خدا تعالےٰ کی رضا قائم کرنے آتے ہیں۔ لیکن وہ تلوار کے ذریعہ یہ حکومت حاصل نہیں کرتے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کو کبھی تلاش نہیں کیا۔ بلکہ تلوار نے آنحضرت صلعم کی تلاش کی جس طرح وہ مسیح کے پاس آئی تھی۔ اگرچہ اُس کی وفات کے کئی سال بعد۔

زمینی بادشاہ کا انحصار تلوار پر ہوتا ہے۔ وہ محض اپنی جسمانی طاقت اور توپ وتفنگ کے سہارے حکومت کرتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا نبی لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ لوگ اُس کے سامنے اپنا سب کچھ لا ڈالتے ہیں۔ اور اُس میں تلوار بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کا آغاز یتیمی کی حالت میں کیا۔ آپ کسی دنیاوی طاقت کے خواہشمند نہ تھے۔ لیکن اِس الٰہی تجویز کے ماتحت کہ آنحضرت صلعم کو شریعت کی عملی تفسیر بھی کرکے دکھائی تھی۔ وہ خود بخود آپ کے پاس آگئی۔ اگرچہ آپ کا روحانی مرتبہ بدرجہا اعلیٰ و افضل تھا۔ لیکن آپ نے دنیا کو دکھا دیا۔ کہ روحانی تکمیل اور عظمت دنیاوی شان وشوکت کے منافی نہیں ہے۔ سیاسیات کو ایک زہر سمجھ کر چھوڑنا جائز نہیں۔ جیسا کہ بھوپال کے مولوی برکت اللہ نے تجویز کیا تھا۔ (خلافت صلا) ہم دنیا میں رہتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھی دنیا سے دور رہ سکتے ہیں۔

افسوس ہے۔ کہ متاخرین میں سے مسلمان اور علی الخصوص عیسائی مصنّفین نے اِن تعلیمات کی حکمت نہیں سمجھی۔ اور انہوں نے اپنی توجہ کو محض دنیاوی اور مادی باتوں تک محدود رکھا ہے۔ وہ اسلام کو محض ایک سیاسی اور فوجی نظام سمجھتے ہیں جس میں تشدّد کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ اسلامی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ اِس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے اپنی بے انتہا حکمتوں کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قادیان میں مبعوث فرمایا۔ تاکہ وہ پھر دنیا کے سامنے اسلام کا خوبصورت چہرہ آسمانی ذرائع سے

بے نقاب کرے۔ آپ پُرانی مقدس کتابوں کی پیشگوئیوں کے ماتحت مسیح کی رُوح اور طاقت سے کر آئیے اور اَب آپ کے جانشین دنیاوی بادشاہت کے بغیر خلافت کے روحانی پہلو کو آشکار کر رہے ہیں۔

مَیں یہاں یہ ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ روحانی قیادت کے صرف یہ معنی نہیں۔ کہ محض نمازیں پڑھا دی جائیں۔ یا دیگر اسلامی امور کی انجام دہی کر چھوڑی جائے۔ یہ کام تو عام آدمی بھی کر سکتے ہیں۔ خلیفہ ایک پادری یا مُلّا نہیں ہوتا۔ جس کو گاؤں کے لوگ اپنی مرضی پر برخواست کر سکتے ہوں۔ وہ کسی پُرانے گرجے کا اسقفِ اعظم بھی نہیں۔ جس کا کام محض تقلید میں گا چھوڑنا ہے۔ وہ ایک راہب بھی نہیں ہوتا۔ جو دنیا کی سیاسیات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ روحانی قیادت کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع طاقت ہے۔ اُس کے لئے محض زبانی دعاوی کافی نہیں ہوتے۔

اِسلامی خلیفہ ایک قائد بلکہ امیرالمومنین ہوتا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کی وجہ سے سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورثہ میں پاتا ہے۔ وہ خدا کا نبی بھی ہو سکتا ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ جو خلیفہ کی حیثیت میں آئے۔ اور ایک عام خلیفہ بھی ہو سکتا ہے۔ جو نبی کے کام کی توسیع کرے۔ لیکن مؤخرالذکر صورت میں بھی وہ خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ بادشاہ نہ ہو۔ اور مسیح کی طرح ایک عاجز محکوم ہو۔

لیکن وہ ایک ایسا شخص ہوتا ہے۔ جس کے سامنے خدا کی رضا کے حصول کے لئے بادشاہوں اور حاکموں کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔ اُن کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہوتی ہے۔

ایسا خلیفہ بلاشبہ محض ایک انسان ہوتا ہے۔ وہ خدا یا خدا کا بروز نہیں ہوتا۔ اسمیں وہی انسانی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ جو دوسروں میں ہوتی ہیں۔ اگر وہ نبی نہ ہو۔ تو غلطیاں بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ ایک ایسے اعزاز پر قائم ہوتا ہے۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ کو بہت خیال رہتا ہے۔ خدا یہ پسند نہیں فرماتا۔ کہ کوئی زمینی کیڑا خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ اُس کے نمائندہ کو کوئی گزند پہنچا ئے۔ وہ دنیا میں خدا کی بادشاہت قائم کرنے اور اُس کی مخلوق کا اپنی دعاؤں اور عمل سے تزکیۂ نفس کرنے کے لئے متعیّن فرمایا جاتا ہے۔ پس جو اُس کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ خود خدا کی مخالفت کرتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور اسرار سے واقف نہیں ہے۔ اُس کے لئے یہ باتیں شائد سمجھنی دشوار ہوں۔ لیکن عنقریب دنیا اس کی شہادت دیگی۔ کہ یہ بات اِسی طرح ہے۔ اور اس کو اِسی طرح ہونا چاہیئے تھا۔

قرآن شریف میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نورالسمٰوٰت والارض ہے۔ انبیاء وہ قمقمے ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ یہ نور پھیلتا ہے۔ اور

...... دنیا کی ہدائت کا موجب ہوتا ہے۔ اِسی طرح خلفاء ان انوارِ الہیّہ کو منعکس کرنے والے آلات ہوتے ہیں۔ اور اُن کے ذریعہ انسانوں کی رستگاری اور ہدائت ہوتی ہے۔

"الحکم" کا اگلا نمبر ایک خاص نمبر ہوگا

"الحکم" کا یہ نمبر اپنے اعلیٰ مضمون کے لحاظ سے ایک نہائت شاندار چیز ہے۔ اِس مضمون کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ناظر صاحب تعلیم و تربیت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے قبلہ نے اِس کی اہمیت نہائت واضح الفاظ میں معزز اخبار "الفضل" میں شائع فر[مائی] اس مضمون کے اُردو ترجمہ کے لئے جناب شبلی صاحب بی کام جیسے بلند پایہ صاحب قلم انسان سے ہم نے ترجمہ کرایا ہے۔ تاکہ ایک اہم ضرورت پوری ہو سکے۔

اِسی طرح

"الحکم" کے آئندہ نمبر کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ اِس میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے اسلام قبول کرنیکے دردمندانہ حالات شائع کئے جائینگے۔ اِس سے قبل میں نے دو نمبروں میں اُن کے حالات شائع کئے تھے اور طالب خیال تھا کہ اُسے مسلسل شائع کرتا رہونگا۔ مگر اکثر احباب نے اِس لمبے سلسلہ کو پسند نہیں کیا۔ اور انہوں نے تحریک کی ہے۔ کہ اِس مضمون کو جسقدر ممکن ہو اکٹھا شائع کر دیا جائے۔ اِس لئے احباب کی اِس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ "الحکم" کا اگلا نمبر تین نمبروں کا مجموعہ کر دیا جائے۔ اور اسطرح الحکم کے پورے سائز کے ۲۰ صفحوں پر اُن تمام حالات کو مجموعی طور پر یکجا جمع کر دیا جائے۔ یہ حالات انسانی قلب میں نور ایمان کی ایک لطیف شعاع پیدا کر دیتے ہیں۔ چونکہ گذشتہ دو نمبروں میں شائع شدہ حالات میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اسلئے طبع شدہ اوراق بھی دوبارہ پوری احتیاط اور صحت کو ملحوظ رکھ کر شائع کئے جائیں گے۔

احباب نوٹ کرلیں

کہ اگلا نمبر اس اہم ضرورت کے لحاظ سے تین نمبروں کا مجموعہ ہوگا۔ صفحات کے لحاظ سے پورا ہوگا۔ صرف مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے ایسا انتظام کیا گیا ہے۔ یہہ خیال نہ کر لیا جائے۔ کہ یہ ایک ہی نمبر ہے۔

اِسی طرح یہ بھی خیال رہے۔ کہ آب آئندہ نمبر ۷ رمئی ۱۹۳۸ء کو شائع ہوگا۔ جو احباب اس لطیف اور پاکیزہ حالات کی الگ کاپیاں لینی چاہیں۔ وہ ۴ آنہ فی کاپی دفتر "الحکم" سے خرید سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ قبل از وقت اطلاع دیدیں۔

محمود احمد عرفانی ایڈیٹر اخبار "الحکم" قادیان

ماہوار رسالہ المبشر قادیان

رسالہ "المبشر" قادیان کے چند جواں فکر اُدباء و شعراء کی زیر ادارت عرصہ دو سال سے شائع ہو رہا ہے اور روز بروز علمی طبقہ میں حیرت انگیز ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے۔ اگر آپ نے ابھی تک اس کی سرپرستی قبول نہیں فرمائی۔ تو آج ہی ایک چٹھی لکھ کر رسالہ بذریعہ وی۔پی طلب فرمالیجیئے یا دو روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیجیئے۔ تاکہ ایک سال تک آپ کا نام مستقل خریداروں میں لکھ لیا جاوے۔

یہ رسالہ نظارت تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ کا باقاعدہ منظور شدہ ہے۔ اور اس میں صرف بلند پایہ علمی، ادبی و اصلاحی مضامین درج کئے جاتے ہیں۔ مارچ کے پرچہ میں علاوہ دیگر کہنہ مشق ادباء کے مضامین کے سیدنا امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز اور حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کے نایاب مقالات بھی درج ہیں۔

اس رسالہ کا معیار دن بدن بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ جماعت کے باذوق حضرات اس کی سرپرستی قبول فرمائیں

سالانہ چندہ دو روپے مصدقہ طلباء سے ڈیڑھ روپیہ

نمونہ مفت

پتہ

مینیجر رسالہ "المبشر" الحکم سٹریٹ قادیان

وصایا

نمبر ۵۰۱۰ منکہ مہتاب بی بی بیوہ محمد بخش قوم ارائیں عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۸ء ساکن ننگل باغباناں ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵/۳/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:- "میری اس وقت مندرجہ ذیل جائیداد ہے۔ مہر مبلغ تینتیس روپے اور زیور تقریباً ۶۸ روپے کا ہے۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں میں اس رقم کا جو ۱۰۰ روپیہ ہے ۱/۳ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اگر میری وفات کے بعد اور کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۳ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور میرے ورثاء اس کے ادا کرنے کے ذمہ دار ہونگے۔

گواہ شد۔ العبد۔ گواہ شد
(نشان انگوٹھا) (نشان انگوٹھا)
محمد یعقوب کاتب مہتاب بی بی اسمٰعیل پسر موصیہ

نمبر ۵۰۰۹ منکہ مرزا فتح محمد ولد مرزا رحمت علی بیگ قوم مغل پیشہ ملازمت عمر پینتیس ۳۵ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۳۲ء ساکن حال مقیم بغداد بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵/۲/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت ایک کنال اراضی سکنی بمقام قادیان ضلع گورداسپور قیمتی مبلغ چار صد روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ لیکن میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں۔ بلکہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ مبلغ اسی روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک انجمن مذکور ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں تو اسقدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد موصی مرزا فتح محمد
گواہ شد:- رحیم داد از دہبان بغداد۔ گواہ شد: معراج دین سیکرٹری و محاسب جماعت بغداد

نمبر ۵۰۰۸ منکہ مرزا مظفر احمد ولد مرزا بشیر احمد قوم مغل پیشہ ٹریننگ ملازمت عمر پچیس ۲۵ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۳/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری ذاتی جائیداد کوئی نہیں۔ البتہ مجھے والد صاحب اور گورنمنٹ کی طرف سے کچھ جیب خرچ اور تعلیمی خرچ ملتا ہے تعلیمی خرچ منہا کر کے جیب خرچ یعنی ذاتی خرچ کا اندازہ ساڑھے بارہ پونڈ ماہوار سمجھا جا سکتا ہے میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنی اس آمد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا رہونگا۔ اور میری وفات پر میری جو جائیداد ثابت ہو اس کے دسویں حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ مالک ہوگی۔ اسی طرح میری آمد میں جسقدر اضافہ ہوگا میں انشاء اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے شرح چندہ میں اضافہ کرتا جاؤنگا۔

وما توفیقی الا باللہ۔ اللّٰھم تقبل منا انک انت سمیع الدعاء۔

العبد:- مرزا مظفر احمد حال آکسفورڈ انگلستان
گواہ شد:- بقلم خود مرزا ناصر احمد حال آکسفورڈ انگلستان
گواہ شد:- مرزا بشیر احمد قادیان والد موصی۔

"ریویو!"

سرمہ خاص۔ جناب بابا محمد حسن صاحب واعظ مولوی رحمت علی صاحب امیر المبلغین جاوا سماٹرا کے والد بزرگوار ہیں۔ وہ عرصہ دراز سے ایک سرمہ بنایا کرتے ہیں۔ انکا بیان ہے۔ کہ اس سرمہ کا نسخہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم و مغفور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے کا نسخہ ہے حضرت مرزا صاحب اپنے زمانہ میں طب کے بہت بڑے باکمال انسان مانے جاتے تھے میں اس سرمہ کی نسبت اسقدر کہ سکتا ہوں کہ بابا محمد حسن صاحب بہت نیک اور بزرگ آدمی ہیں۔ اور وہ بہت محنت اور توجہ سے سرمہ بناتے ہیں۔ احباب اگر اس سرمہ کو خریدینگے تو وہ ضرور اسے مفید پائینگے قیمت فی شیشی ۸/

پتہ:- بابا حسن محمد صاحب واعظ
الحکم سٹریٹ قادیان دارالامان

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر اخبار "الحکم" تراب منزل قادیان سے شائع ہوا۔